کیا دیکھ رہے ہو؟" "تم اپنی توپیں اور مشین گنیں کیوں نہیں چلاتے۔؟۔انہیں اڑا دو خدا کی قسم یہ کھلونے ہیں۔پاکستان کے ہوابازوں سے کہہ دو کہ یہ جس قدر ظالم ہیں، اسی قدر بزدل ہیں۔

ڈاکٹر شوکت جلدی سے اٹھ کر آگے بڑھا اور اسے زبردستی بستر پر لٹا کر بولا۔۔۔آپ آرام سے لیٹے رہیں، یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔

مریض نے اپنے آپ کو ڈاکٹر کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مجھے رائفل دے دو، میں ان سب کو گرا دوں گا۔خدا کی قسم میں ان سے نہیں ڈرتا نہیں ڈرتا۔ ہوائی جہاز ہسپتال کے آس پاس چند بم گرانے اور اندھا دھند گولیوں کی بارش کرنے کے بعد جا چکے تھے۔اور مریض کا جوش وخروش کسی حد تک ٹھنڈا ہو چکا تھا،وہ کہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مجھے چھوڑ دو، میں ٹھیک ہوں۔"

ڈاکٹر شوکت نے دوبارہ سلیم کے پاس آکر کہا"کل شام اسے محاذ سے یہاں لایا گیا ہے۔" "پچھلے دنوں میں مظفر آباد میں تھا تو وہاں بھی یہ زخمی حالت میں لایا گیا تھا۔اس کے ساتھی اس کی بہادری کی بہت تعریف کرتے تھے۔"

سلیم نے سوال کیا ڈاکٹر صاحب اب وہ کیسا ہے۔

"اس کے زخم تو معمولی ہیں مگر نمونیہ کا حملہ بہت شدید ہے۔" "اب بھی وہ بخار کی حالت میں چلا رہا تھا۔لیکن پہلے کی نسبت اب اس کی حالت بہتر ہے۔انشاءاللہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔

سلیم نے کچھ سوچ کر کہا ''ڈاکٹر صاحب اگر تکلیف نہ ہو تو اس کا بستر میرے قریب کروا دیجیے، لیکن ابھی نہیں۔ اس وقت مجھے دیکھ کر وہ پریشان ہوگا۔''

''تم اسے جانتے ہو۔''

''وہ میرا ہم جماعت تھا۔ اس وقت ہم ایک دوسرے سے لڑا کرتے تھے۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا کہ کسی دن ہم ایک محاذ پر اکٹھے ہوجائیں گے۔۔۔

یہ نوجوان الطاف تھا۔۔۔ نیشنلسٹ اور وطن پرست الطاف، جسے طالب علمی کے زمانے میں پاکستان کے نام سے چڑ تھی۔ اور اب ایک مدت سے پاکستان کے ایک گمنام رضا کار کی حیثیت میں جہاد کشمیر میں حصہ لے رہا تھا۔

تیسرے دن الطاف کا بخار ٹوٹ چکا تھا۔ اور وہ سلیم کے قریب بستر پر لیٹا اپنی سرگزشت سنا رہا تھا۔ الطاف کی سرگزشت سلیم کے لئے نئی نہ تھی۔ وہ ایسی سینکڑوں داستانیں سن چکا تھا۔ الطاف ان لوگوں میں سے تھا۔ جنہوں نے آخری دم تک ہندوؤں اور سکھوں پر اعتماد کیا تھا۔ اس کے شہر میں ڈسٹرکٹ کانگریس کا صدر اس کا دوست تھا۔ ڈپٹی کمشنر اور فوج کے افسر اس کے والد کو اطمینان دلا چکے تھے، کہ آپ کے خاندان کی حفاظت کے لئے دہلی سے نہرو حکومت نے ہمیں سخت ہدایات بھیجی ہیں، چنانچہ جب بلوے شروع ہوئے تو محلے کے کئی خاندانوں نے الطاف کے گھر کو محفوظ سمجھ کر اپنی بہو، بیٹیوں کو وہاں بھیج دیا۔

اس کے بعد ان کے مکان پر حملہ کیا گیا۔ کانگرس کے عہدے دار اور پولیس کے افسر حملہ آوروں کے رہنما تھے۔ حملے کے وقت الطاف کا والد دروازے سے باہر نکل

کر چلایا۔" ظالمو ہم نے ہمیشہ کانگرس کا ساتھ دیا۔ہم نے ہمیشہ پاکستان کی مخالفت کی ہے۔نہرو اور پٹیل ہمیں جانتے ہیں۔میرے پاس مہاتما گاندھی کے خطوط موجود ہیں۔اور وہ قہقہے لگا رہے تھے۔ایک سکھ اسے داڑھی سے پکڑتا ہوا گلی میں لے گیا۔ اور بلوائی بھوکے کتوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔الطاف دوسری گلی کے راستے نکل کر ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کی طرف بھاگا۔لیکن پولیس کے سپاہیوں نے اسے بنگلے سے باہر ہی روک دیا۔الطاف چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ میں ڈپٹی کمشنر کا دوست ہوں۔ مجھے اس کے پاس جانے دو۔میرے مکان پر حملہ ہو چکا ہے۔مجھے نہرو اور پٹیل جانتے ہیں،اور سپاہی اس کے جواب میں کہہ رہے تھے کہ اسے الٹا لٹکا دو!''۔

ڈپٹی کمشنر کار پر اپنے بنگلے سے باہر نکلا،سپاہی راستہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ڈپٹی کمشنر نے کار سے باہر جھانکتے ہوئے الطاف کی طرف دیکھا اور ڈرائیور سے کہا،روکو نہیں چلو،

الطاف نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو سپاہی کی گرفت سے آزاد کیا اور بھاگ کر کار کے پائیدان پر پاؤں رکھتے ہوئے چلایا۔ڈپٹی صاحب کار روکیے، میں الطاف ہوں،میرے مکان پر حملہ ہو چکا ہے۔آپ انہیں روک سکتے ہیں۔الطاف کھڑکی کے رستے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔سپاہی چند قدم دور اس کے تعاقب میں آرہے تھے۔ڈپٹی کمشنر صاحب نے پہلے اسے ہاتھوں سے نیچے دھکیل کر پھینکنے کی کوشش کی اور اس کے بعد پستول نکال کر فائر کر دیا۔پستول کی گولی الطاف کے شانے کے پاس لگی۔اور اس کے ساتھ ہی ڈپٹی کمشنر نے اسے دھکا دیا اور وہ سڑک

پر گر پڑا۔ ڈرائیور نے دوبارہ کار روکنے کی کوشش کی۔ لیکن ڈپٹی کمشنر نے پھر کہا ہمیں پانچ منٹ میں ہوائی اڈے پہنچنا ہے۔ تیز چلو۔

کار کے قریب سے گزرتے ہی ایک فوجی ٹرک گزر رہا تھا۔ الطاف کے نیچے گرتے ہی ڈرائیور نے ٹرک روکا۔ بلوچ رجمنٹ کا ایک افسر اور پانچ سپاہی نیچے اترے، پولیس کے سپاہی جو الطاف کے تعاقب میں آرہے تھے۔ انھیں دیکھ کر رک گئے۔ اس ٹرک کے پیچھے بلوچ رجمنٹ کے دس اور ٹرک آرہے تھے۔ افسر کے اشارے پر وہ بھی رک گئے۔ پولیس کے سپاہی ایک ثانیہ توقف کے بغیر الٹے پاؤں بھاگ رہے تھے۔ افسر کے حکم پر سپاہیوں نے الطاف کو بے ہوشی کی حالت میں ایک ٹرک پر لٹا دیا۔ اس کے بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ لاہور کے ہسپتال میں تھا۔

تندرست ہونے کے بعد الطاف کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کے خاندان کا کیا حشر ہوا؟۔

ایک دل والٹن کیمپ لاہور میں اسے اپنے محلے کے چند آدمی مل گئے۔ اور انھوں نے بتایا کہ اس کی بیوی نے حملے کے وقت مکان کی تیسری منزل سے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس کے خاندان اور اس کے گھر میں پناہ لینے والی عورتوں کو ننگا کر کے ان کا جلوس نکالا گیا تھا۔ اس کے بعد دو ماہ کے عرصے میں الطاف فوجی کنوائے کے ساتھ تین مرتبہ مشرقی پنجاب گیا۔ لیکن اسے اپنے خاندان کی کسی عورت کا پتا نہ ملا۔ اس کا ایک بہنوئی لاہور میں تھا۔ ایک دن اسے معلوم ہوا کہ جالندھر کے آس پاس سے

عورتیں برآمد کی گئی ہیں۔ اور شام تک بذریعہ ریل لاہور پہنچنے والی ہیں۔ الطاف اپنے بہنوئی کے ساتھ اسٹیشن پہنچا۔ ان عورتوں میں ان کے خاندان کی صرف ایک لڑکی تھی۔ اور یہ اس کی بہن تھی۔ اور جب الطاف سلیم کے ساتھ اس کا ذکر کر رہا تھا تو سلیم کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ الطاف اچانک خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر وہ گہری سوچ میں چھت کی طرف دیکھتا رہا۔ اور بالآخر گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ منظر بڑا دل گداز تھا سلیم! میں اپنی بہن کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ پھر اچانک اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم کون ہو؟ ۔ اور میری طرف کیوں گھور گھور کر دیکھ رہے ہو؟ "۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کو بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔ فہمیدہ میری طرف دیکھو، میں تمہارا بھائی ہوں۔ اور دیکھو یہ حامد ہے۔ یہ تمہیں لینے آیا ہے۔ اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی میری طرف اور کبھی اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک اس نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا۔ اور پلیٹ فارم پر ایک طرف بھاگ نکلی۔ میں بھاگ کر اسے پکڑ لیا اور ہم اسے گھر لے آئے۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ میں نے چند دن اپنے بہنوئی کے ہاں قیام کیا۔ فہمیدہ کبھی ہنستی اور کبھی روتی تھی۔ لیکن اس کی زندگی کے تلخ ترین لمحات وہ تھے جب وہ ہوش میں ہوا کرتی تھی۔۔۔ اس کا خسر، ساس اور شوہر اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے۔ لیکن اس کی نگاہیں اوپر نہ اٹھتی تھیں۔ عالم ہوش میں اس کے لئے یہ حقیقت ناقابل برداشت تھی کہ وہ کسی کی بیوی

، کسی کی بہن اور کسی کی بہو ہے۔ اس کا خاوند قسمیں کھاتا کہ فہمیدہ تم میری نگاہ میں پاک دامن ہو۔ وہ کبھی خاموشی سے اس کی باتیں سنتی اور کبھی چلا اٹھتی۔ ''نہیں نہیں آپ مجھے جھوٹی تسلیاں نہ دیں۔ آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ مجھے ذلیل سمجھتے ہیں۔ آپ نے مجھے زندہ کیوں رہنے دیا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی میرا گلا کیوں نے گھونٹ دیا۔ اور پھر وہ جنون کی حالت میں اپنے بال اور چہرہ نوچ ڈالتی۔ ایک دن وہ ہوش میں تھی اور میرے منہ سے نکل گیا ''فہمیدہ میں تمہارا انتقام لوں گا۔۔۔ وہ مجھ پر برس پڑی۔ ''تم میرا انتقام کس طرح لوگے؟ تم نہرو، پٹیل سنگھ اور تارا سنگھ کے پاس فریاد لے کر جاؤ گے۔ کہ تمہارے سورماؤں نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ میرے خاندان کی عورتوں کو ننگا کر کے جلوس نکالا ہے۔ تم اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن میں تنہا نہیں۔ قوم کی ہزاروں بیٹیاں ابھی تک سکھوں اور ہندوؤں کے قبضے میں ہیں۔ پاکستان سے کسی نہ کسی دن قوم کا کوئی غیور بیٹا ان کی فریاد ضرور سنے گا۔ وہ تمہاری طرح یہاں بیٹھ کر احتجاج نہیں کرے گا۔ بلکہ مشرقی پنجاب کے کونے کونے میں جا کر یہ پیغام دے گا۔ کہ اس خاک پر جن شہیدوں کا خون گرا ہے۔ وہ میرے بھائی تھے۔ اس زمین پر جن عورتوں کی عصمت لوٹی گئی، وہ میری بہنیں تھیں۔ وہ بھٹکتی ہوئی روح کی فریاد سنے گا۔ مشرقی پنجاب میں بجلیاں اور زلزلے اس کے ہم رکاب ہوں گے۔ کاش مجھے مشرقی پنجاب میں موت آجاتی۔ اور میری روح اپنے اس بھائی کا خیر مقدم کرتی۔۔۔

مجھے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ فہمیدہ کو سب سے زیادہ نفرت میری ذات ہے۔

اسے یہ غلط فہمی تھی کہ میں حملے کے وقت اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ آیا تھا۔تقسیم سے قبل وہ اپنے کالج کی لڑکیوں کی مجالس میں پاکستان کے حق میں تقریریں کیا کرتی تھی۔اس کے خیالات میرے اور ابا جان کے خیالات سے مختلف تھے۔وہ کہا کرتی تھی کہ ہندوؤں کے جارحانہ نظام کے خلاف مدافعت کے لئے پاکستان مسلمانوں کا آخری مورچہ ہے۔خاندان کی بہت سی لڑکیوں کو اس نے اپنا ہم خیال بنالیا تھا۔خیر یہ باتیں تمہارے لئے دل چسپ نہ ہوں گی۔میں تمہیں بتا رہا تھا کہ کبھی کبھی اس کی باتیں سنجیدہ ہوا کرتی تھیں۔لیکن حقیقتاً وہ زندگی کے ساتھ اپنے تمام ناطے توڑ چکی تھی۔اور ہم تمام کوششوں کے باوجود اس کے چہرے پر کھوئی ہوئی مسکراہٹیں دوبارہ نہ دیکھ سکے۔اس کی صحت آئے دن گر رہی تھی۔

کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تو میں رضا کاروں کی ایک جماعت کے ساتھ یہاں پہنچ گیا۔دو ماہ بعد اوڑی کے محاذ پر ایک دن اچانک مجھے ملا۔وہ بھی آزاد فوج میں شامل ہو چکا تھا۔اس نے مجھے بتایا کہ فہمیدہ میری آمد کے بیس دن بعد فوت ہو گئی تھی۔

مرتے وقت اس نے حامد سے وعدہ لیا تھا کہ وہ جہاد کشمیر میں شریک ہوگا۔اور وہ اپنا یہ وعدہ پورا کرنے آیا تھا۔حامد شہید ہو چکا تھا۔وہ اوڑی کے پاس دیوار کے ایک درخت کے نیچے دفن ہے۔مرتے وقت حامد نے مجھ سے کہا تھا، الطاف، اگلے سال میری قبر پر جنگلی پھول کھلیں گے۔اگر تم یہاں آسکو تو یہاں سے چند پھول لے جانا اور فہمیدہ کی قبر پر چڑھا دینا۔

کچھ دیر الطاف اور سلیم خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

اچانک الطاف نے کہا "سلیم تمہیں اختر کے متعلق کچھ معلوم ہے۔"

اختر کا نام سن کر سلیم چونک پڑا، پندرہ اگست 1947ء کے بعد مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔

الطاف نے کہا وہ شہید ہو چکا ہے۔ میں پہلی بار اپنے خاندان کی عورتوں کی تلاش میں گیا تھا، تو جالندھر کے کیمپ میں مجھے اختر کا ایک دوست ملا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اختر نے عہد کیا تھا کہ جب تک شہر کے تمام مسلمان پاکستان نہیں پہنچ جاتے۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اس کا ایک چچا فوج میں میجر تھا۔ وہ خاندان کے باقی افراد کو نکال کر لے آیا۔ لیکن اختر وہیں رہا۔ ایک دن وہ جالندھر کے پاس ایک گاؤں کے مسلمانوں کو نکال کر پناہ گزینوں کی گاڑی پر سوار کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن کی طرف لا رہا تھا۔ کہ راستے میں سکھوں نے حملہ کر دیا۔ چند آدمی بھاگ کر کیمپ میں پہنچے اور انھوں نے بتایا کہ اختر شہید ہو چکا ہے۔



الطاف ایک ہفتے کے بعد تندرست ہو کر دوبارہ محاذ پر چلا گیا۔ اور سلیم ہسپتال کی تنہائی اور خاموشی کو زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگا۔ تین ہفتوں کے بعد اس کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسے معلوم ہوا کہ اس کی بائیں ٹانگ پنڈلی کی بعض رگوں کے کٹ جانے کے باعث ناکارہ ہو چکی ہے۔ اور وہ

ایک غیر معین عرصے تک لکڑیوں کے سہارے کے بغیر چل نہیں سکے گا۔ ڈاکٹر شوکت اسے بار بار یہ کہہ کر تسلی دیتا کہ تمہاری یہ تکلیف عارضی ہے۔ کچھ عرصے بعد تمہیں لکڑی کے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لیکن ہسپتال کے ایک اور ڈاکٹر نے سلیم کو یہ کہہ کر بہت مایوس کر دیا کہ تمہارے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ تم چند ماہ تک لکڑی کے سہارے کے بغیر چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ۔ لیکن مستقبل قریب میں اس کی امید بہت کم ہے کہ لڑائی میں حصہ لے سکو۔

ایک دن ڈاکٹر شوکت نے سلیم کو بتایا کہ ارشد کا خط آیا ہے اور وہ تمہیں پرسوں یہاں پہنچ کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ میں نے بھی ایک ہفتے کی چھٹی لے لی ہے۔ اگر اچانک کسی مصروفیت کے باعث مجھے اپنی چھٹی منسوخ نہ کرانا پڑی تو میں بھی تمہارے ساتھ جا سکوں گا۔ ہاں ارشد نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجید تبدیل ہو کر راولپنڈی آ گیا ہے۔ اگر اسے چھٹی مل گئی تو شاید وہ بھی ارشد کے ساتھ آ جائے۔ سلیم نے مغموم ہو کر کہا۔ ڈاکٹر صاحب آپ میرا راولپنڈی جانا ضروری سمجھتے ہیں؟۔

ڈاکٹر صاحب نے پریشان ہو کر جواب دیا، میرا خیال تھا کہ تم ہسپتال کی زندگی سے تنگ آ چکے ہو گے۔

''ہسپتال کی زندگی سے میں واقعی تنگ آ چکا ہوں۔ اور جب سے مجھے معلوم ہوا کہ میں اب سپاہیانہ زندگی کے قابل نہیں رہا، اس چار دیواری میں میرا دم گھٹتا ہے۔ لیکن راولپنڈی جا کر میں کیا کروں گا۔

وہاں تم بے کار نہیں بیٹھو گے۔ سلیم! تمہارے لئے ہر جگہ کام ہے۔ اور یہ تمہیں

کس نے بتایا کہ تم سپاہیانہ زندگی کے قابل نہیں رہے۔ بیٹا میں تمہیں جانتا ہوں، کہ جب تک تمہارے دل کی دھڑکنیں خاموش نہیں ہو جاتیں تمہیں کوئی طاقت سپاہیانہ زندگی سے محروم نہیں کر سکتی۔اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ تمہاری ٹانگ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ میں لاہور اور کراچی کے تجربہ کار ڈاکٹر صاحبان سے تمہارے لئے مشورہ کروں گا۔لیکن جب تک تم بندوق اٹھا کر دوبارہ میدان جنگ میں جانے کے قابل نہیں ہوتے۔اس وقت تک محاذ جنگ سے دور رہ کر بھی وطن کی خدمت کر سکتے ہو۔

وہ کیسے؟۔

تمہارا قلم بہت بڑا ہتھیار ہے۔اور قوم کو اس کی ضرورت ہے۔تم خود کہا کرتے تھے کہ کشمیر کی جنگ پاکستان کی جنگ ہے۔اور پاکستان کی جنگ ساری قوم کی جنگ ہے۔سلیم ! اسے قوم کی جنگ بنانے کے لئے تمہارے جیسے ادیبوں کی پکار کی ضرورت ہے۔تم راکھ کے انبار سے بجلیاں پیدا کر سکتے ہو۔



شام کے چار بجے ارشد کے مکان کے سامنے ایک جیپ رکی۔ راحت نے کمرے سے باہر جھانکتے ہوئے کہا، آپا جان، آپا جان وہ آ گئے۔ایک لمحہ کے لئے عصمت محسوسات کے اس عالم میں تھی، جہاں جسم اور روح کے درمیان ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے۔اور انسان کا دماغ ان رنگینیوں، دل فریبیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا جو اس خلا کی وسعتوں میں رقص کرتی ہیں۔ جہاں انسان کی روح زندگی کی ان رفعتوں اور

گہرائیوں سے آشنا ہوتی ہے۔ جو دماغ میں نہیں سما سکتیں۔

عصمت کتاب میز پر رکھے بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ راحت نے برآمدے سے پھر آواز دی۔ ''آپا جان سلیم بھائی آ گئے۔'' اور عصمت جیسے خواب سے بیدار ہو رہی تھی۔ جسم اور روح کے درمیان ایک عارضی خلا کی وسعتیں سمٹ کر ایک مختصر سے لفظ میں سما گئیں۔ سلیم، سلیم سلیم، عصمت کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنا دوپٹہ درست کیا۔ برآمدے کی طرف کھلنے والے دروازے کے پاس پہنچی۔ جھجکی، رکی، اور پھر اچانک برامدے میں آ گئی۔ ڈاکٹر شوکت صاحب، ارشد، مجید اور سلیم جیپ سے اتر کر صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ سلیم، مجید کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ بھائی جان!'' راحت نے اچانک آگے بڑھ کر سلیم کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا۔ سلیم کے ہونٹوں پر ایک مغموم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ برآمدے میں پاؤں رکھتے ہوئے سلیم نے عصمت کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔۔ محبت کے آنسو جو ایک عورت کی آنکھوں کو شبنم آلود کلیوں سے کہیں زیادہ پاکیزگی، دل فریبی اور رعنائی عطا کرتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں میز کے گرد بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اور عصمت دوسرے کمرے میں بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اچانک اس نے اٹھ کر کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہوا چمڑے کا چھوٹا سا بکس کھولا۔ اور کاغذ کے ایک پرزے میں لپٹی ہوئی سنہری انگوٹھی نکال کر انگلی میں پہن لی۔ اور پھر اچانک کوئی خیال آیا اور اس نے انگوٹھی اتار کر پھر بکس میں رکھ دی۔

راحت نے کمرے میں پاؤں رکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا آپا جان!

عصمت نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کھڑی ہو گئی، کیا ہے راحت؟۔

راحت سہارا لے کر چلنے والی بیساکھیاں اٹھائے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے اور وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی، آپا جان یہ سلیم بھائی کی ہیں۔

پگلی تم کیوں رو رہی ہو۔ عصمت نے اس کے ہاتھ سے بیساکھیاں لے کر دیوار کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''آپا جان، راحت اچانک سنبھل کر بولی'' مجھے ڈر تھا کہ آپ کو یہ دیکھ کر تکلیف ہو گی۔

عصمت نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ چڑیل کہیں کی، یہ ایک سپاہی کا زیور ہیں۔

راحت نے کہا وہ بہت مغموم ہیں آپا۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کے آنسوؤں سے انہیں غلط فہمی ہو گی۔ اور میں اس لئے پریشان تھی کہ آپ نے کوئی بات بھی تو نہیں کی ان سے۔

''میں ان سے کیا بات کر سکتی ہوں۔''

''کیا کہو گی؟۔''

راحت نے آنکھوں میں شرارت آمیز تبسم لاتے ہوئے کہا''۔ جو جی میں آئے کہہ دوں گی۔

چائے ختم کرنے کے بعد مجید نے اگلے دن دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے ان سے

رخصت لی۔ارشد سلیم سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے ڈاکٹر شوکت سے کہا۔

ڈاکٹر صاحب آیئے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر شوکت اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔مجید نے صحن میں پہنچ کر قدرے تذبذب کے بعد کہا۔ڈاکٹر شوکت صاحب۔۔۔آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میری خواہش یہ ہے کہ سلیم کی شادی کر دی جائے۔مجھ سے زیادہ اسے کوئی نہیں جانتا۔وہ بے حد حساس ہے۔وہ ایک مہمان کی حیثیت سے آپ کے ہاں چند دن سے زیادہ قیام کرنا پسند نہیں کرے گا۔شادی کے بعد آپ اس کے لئے کوئی ایسا کام سوچیں کہ وہ اپنے آپ کو بیکار محسوس نہ کرے۔کشمیر کے حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ اچانک ہمیں کسی دن پیش قدمی کا حکم مل جائے۔اور میں محاذ پر جانے سے پہلے سلیم کے متعلق مطمئن ہونا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر شوکت نے مجید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نہایت شفقت آمیز لہجے میں کہا۔بیٹا اگر تم ابتدا نہ کرتے تو میں شاید کل تم سے یہی بات کرتا۔میں اسی ارادے سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔تم کل آؤ تو ہم سلیم سے پوچھ لیں گے۔

’’بہت اچھا میں کل ایک بجے کے قریب پہنچ جاؤں گا۔‘‘

’’چار دن بعد عصمت اور سلیم کی شادی ہو چکی تھی۔



دو ہفتے بعد ایک دن سلیم میز کے سامنے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا، عصمت کمرے میں داخل ہوئی اور بولی ناشتہ تیار ہے اور بھائی جان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ بہت اچھا چلو، سلیم نے یہ کہتے ہوئے قلم رکھ دیا اور کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''چلیے عصمت نے مسکراتے ہوئے کہا''۔

میری بیساکھیاں آج صبح سے غائب ہیں۔ سلیم نے قدرے پریشان ہو کر کہا،

عصمت نے آگے بڑھ کر سلیم کا بازو پکڑ لیا اور کہا وہ میں نے غائب کر دی ہیں۔ یہاں میری موجودگی میں آپ کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف باہر جانے کے لئے آپ کو ان کے استعمال کی اجازت دے سکتی ہوں۔''

''اور اگر میں تمہارے سہارے چلتا ہوا گر پڑا تو؟''

''ہم دونوں ایک ساتھ گریں گے اور ہنستے ہوئے اٹھیں گے۔''

سلیم نے سنجیدہ ہو کر کہا نہیں عصمت میں اپنے ساتھ تمہیں نہیں گرنے دوں گا۔ ہاں دیکھو میرے تکیے کے نیچے گھڑی پڑی ہوئی ہے، وہ اٹھا لاؤ۔

''ابھی لاتی ہوں، عصمت یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔''

سلیم نے جھجکتے جھجکتے دوسرے دروازے کی طرف چند قدم اٹھائے۔ پنڈلی کی بعض رگوں میں کھنچاؤ پیدا ہونے سے اس کے لئے ایڑی زمین سے لگانا مشکل تھا۔ تاہم اسے اطمینان تھا کہ وہ ایک معمولی تکلیف سے سہارے کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔ عصمت گھڑی لے کر باہر آئی تو سلیم دوسرے دروازے سے نکل رہا تھا۔

عصمت نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا ابھی نہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلدی سہارے کے بغیر چل سکیں گے۔ لیکن جلدی نہ کیجیے۔

''میں چل سکتا ہوں عصمت اب تو میں ایڑی پر بھی تھوڑا تھوڑا بوجھ ڈال سکتا ہوں۔''

''مجھے معلوم تھا مجھے آج ہی خواب نظر آیا تھا، آپ ایک فوج کو پریڈ کروا رہے تھے۔''

''سچ کہتی ہو عصمت؟۔''

''راحت سے پوچھ لیجیے میں نے اٹھتے ہی اسے بتایا تھا۔''

''اچھا ذرا مجھے چھوڑ دو میں ارشد کو پریشان کرتا ہوں۔''

عصمت نے مسکراتے ہوئے کہا ارشد پریشان نہیں ہوگا، آپ کی بیساکھیاں غائب کرنے کا مشورہ بھی اسی نے دیا تھا۔

ارشد نے ساتھ والے کمرے سے آواز دی، سلیم صاحب آیئے!۔

سلیم اور عصمت دوسرے کمرے میں جا کر کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ راحت ناشتہ اور چائے لے آئی۔ چائے پیتے وقت ارشد نے کہا''

''سلیم رات میں تمھیں ایک خوش خبری سنانا چاہتا تھا، لیکن تم اس وقت کچھ لکھ رہے تھے۔ ہماری فوج کے چند دستے کشمیر میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور کئی محاذوں پر دشمن کی پیش قدمی روک دی گئی ہے۔''

سلیم کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔اور اس نے کہا پرسوں مجید بھی مجھ سے یہی کہتا تھا۔کہ تم کشمیر کے متعلق جلد کوئی اچھی خبر سنو گے۔

ارشد نے کہا ہندوستان کئی مہینوں سے واویلا کر رہا تھا۔کہ کشمیر میں پاکستان کی فوج لڑ رہی ہے۔پاکستان کو آخر کار اس کی یہ خواہش پوری کرنی ہی پڑی ہے۔تمہارا کیا خیال ہے سلیم؟۔ہندوستان ہمارے اس اقدام کے بعد پاکستان کے ساتھ کھلی جنگ مول لینے کی جرات کرے گا؟۔

سلیم نے جواب دیا، ہندو قوم کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ صلح کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر حملہ کرتے ہیں۔اور اگر انہیں یقین ہو جائے کہ مد مقابل ہار ماننے والا نہیں تو وہ خود ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ہماری طرف سے صلح جوئی اور امن پسندی کے مظاہروں نے ہمیشہ اس کے جارحانہ عزائم کو تقویت دی ہے۔یہاں تک کہ اس کے ہوائی جہاز کشمیر کی حدود سے گزر کر ہمارے سرحدی علاقوں پر بھی بم باری کرتے رہے۔اب اگر پاکستانی سپاہی کشمیر میں داخل ہو چکے ہیں تو تم دیکھو گے ہندوستان جنگ کی بجائے صلح کو زیادہ ترجیح دے گا۔لیکن یہ اس کا ایک اور فریب ہوگا۔اس کے سیاست دان مصالحانہ بات چیت کا متناہی سلسلہ جاری رکھیں گے۔اور اس کے سپاہی نئے مورچے بناتے رہیں گے۔ہمارے لئے کشمیر کا صرف وہ فیصلہ صحیح ہوگا، جو پاکستانی سپاہی کی سنگین کی نوک سے لکھا جائے گا۔میں اس دن سے اسی طرح سوچتا ہوں۔جب کہ کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تھی۔اور تم دیکھو گے کہ پاکستان کا ہر فرد اسی طرح سوچے گا۔۔ہندو صرف ایک زبان سمجھتا

ہے، اور وہ تلوار کی زبان ہے ۔۔

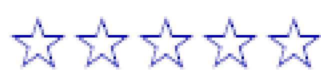
باہر سڑک پر لوگ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ اور ان نعروں کے ساتھ ٹرکوں اور جیپوں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ راحت اچانک باہر نکل آئی۔ اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولی، بھائی جان فوج جا رہی ہے۔

سلیم نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا عصمت میری بیساکھیاں لا دو، میں باہر نکل کر انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔

عصمت دوسرے کمرے سے بیساکھیاں اٹھا لائی۔ جب وہ باہر نکل رہا تھا تو ارشد نے اٹھ کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ سلیم ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ان بیساکھیوں کو کسی دن ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا جائے۔

سلیم نے جواب دیا کہ اگر عصمت مجھے سہارا دینے پر مصر رہی تو میں انہیں خود ہی کسی دن غائب کر دوں گا۔ آج میں پہلی بار ان کے بغیر چند قدم چلا ہوں۔

تم بہت جلد ان کے بغیر چلنے لگو گے پاؤں پر آہستہ آہستہ بوجھ ڈالنے کی کوشش کیا کرو۔



سڑک پر پہنچ کر وہ کافی دیر تک فوجی لاریوں، ٹرکوں اور جیپ کاروں کا قافلہ دیکھتے رہے۔

"بھائی جان آپ تھک جائیں گے میں کرسی لاتی ہوں۔"

راحت یہ کہہ کر اندر سے بید کی کرسی اٹھالائی۔سلیم پھاٹک سے ایک قدم آگے سڑک کے کنارے کرسی پر بیٹھ گیا۔ارشد اس کے قریب کھڑا تھا۔اور راحت اور عصمت صحن کے کنارے پودوں کی باڑ کی اوٹ میں کھڑی سڑک کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

سڑک کے کنارے لوگ سپاہیوں کو دیکھ کر خوشی کے نعرے لگا رہے تھے۔ٹرک اور لاریاں گزر گئیں۔ارشد ہسپتال جانے کی تیاری کرنے کے لئے اندر جا چکا تھا۔سلیم اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔کہ سڑک پر کچھ دور پیادہ سپاہیوں کے بھاری بوٹوں کی آہٹ سنائی دی اور وہ غیر شعوری طور پر اپنے منہ میں لفٹ رائٹ ،لفٹ رائٹ دہرانے لگا۔

سپاہی قریب آ گئے۔عصمت اور راحت نے جلدی جلدی صحن میں اگے ہوئے پودوں سے چند پھول توڑے اور سپاہیوں کے راستے میں پھینک دیئے۔

سپاہیوں کے چند دستے گزر گئے۔آخری دستہ دروازے کے قریب پہنچا،تو ساتھ آنے والے افسر نے اچانک گرجتی ہوئی آواز میں کہا،''ہالٹ'' سپاہی رک گئے۔

''رائٹ ٹرن۔۔۔سپاہیوں نے دائیں طرف منہ پھیر لیے،افسر سٹینڈ ایٹ ایز کہہ کر سلیم کی طرف بڑھا،سلیم اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔یہ مجید تھا۔۔

اس نے آتے ہی کہا سلیم !یہ وہ بجلیاں ہیں ،جن کی تمہیں تلاش تھی۔ہم وہاں جا رہے ہیں ،جہاں سے تم آئے ہو۔تم لوگوں نے کشمیر میں جو کام شروع کیا تھا۔وہ ان

کے ہاتھوں پورا ہوگا۔‘‘

’’تم ابھی جا رہے ہو؟۔‘‘

’’ہاں کوئی ایک گھنٹہ تک ہماری بٹالین روانہ ہو جائے گی۔ بھابھی جان کہاں ہیں؟۔

سلیم نے صحن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ’’وہ ادھر کھڑی تمہیں دیکھ رہی ہے۔‘‘

مجید نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا، بھابھی جان کل امینہ کا خط آیا تھا۔شاید ایک ہفتے تک وہ آپ کو دیکھنے کے لئے آ جائے۔

عصمت نے کہا انہوں نے مجھے بھی خط لکھا ہے۔

’’میں اس کے خط کا جواب نہیں لکھ سکا۔‘‘ اور اب تو شاید مجھے فرصت بھی نہ ملے۔آپ اسے لکھ دیں کہ میں یہاں سے جا چکا ہوں، اور آپ کی وہ کتابیں جو میں اس دن یہاں سے لے گیا تھا، گم ہو گئی ہیں۔کوئی مجھ سے پوچھے بغیر لے گیا ہے۔ ان کے بدلے میں میں آپ کو مہاراجہ کشمیر کے باغ کے سیب بھیج دوں گا۔

’’ہاں اور کشمیر کی فتح کی خوش خبری بھی۔‘‘

’’ہاں وہ بھی۔‘‘

عصمت نے کہا بھائی جان آپ اس کے بدلے میں میری ساری کتابیں لے جائیں۔راحت جواب تک خاموش کھڑی تھی، بولی آپ میرے لئے کشمیر سے کیا لائیں گے؟۔

''تمہارے لئے مجید نے کچھ سوچ کر کہا، تمہارے لئے میں زعفران کے پھول لاؤں گا۔''

مجید، عصمت اور راحت کو خدا حافظ کہہ کر پھر سلیم کے قریب آ گیا اور بولا، سلیم میری کمپنی تمہیں سلامی دینا چاہتی ہے۔

نہیں نہیں!!، سلیم نے چونک کر کہا۔

مجید نے کہا یہ اس لئے نہیں کہ تم میرے بھائی ہو۔ بلکہ اس لئے کہ تم قوم کے وہ سپاہی ہو، جس نے ہزاروں انسانوں کی جان بچائی ہے۔ یہ سپاہی اس شخص کو سلامی دینا چاہتے ہیں، جو راوی کے کنارے بخار سے نڈھال اور زخموں سے چور ہونے کے باوجود بھی لڑ رہا تھا۔

یہ سلامی ان زخموں کے لئے جو تم نے جہاد کشمیر میں کھائے ہیں۔ سلیم! یہ سب تمہیں جانتے ہیں۔ میں ان سب کو تمہارا پیغام پڑھ کر سنایا کرتا ہوں۔

اور جب سلیم کھڑا ہو کر ان جانبازوں کی سلامی لے رہا تھا، جن کے چوڑے چکلے سینوں پر ایک قوم کی تقدیر لکھی ہوئی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

مجید نے مارچ کرنے کا حکم دیا۔ سڑک پر سپاہیوں کے پاؤں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔۔ سپاہیوں کا دستہ گزر گیا۔ آہستہ آہستہ ان کے قدموں کی آہٹ کم ہوتی گئی، سلیم کے دل کی دھڑکنیں کہہ رہی تھیں:۔

بڑھے چلو۔۔۔ بڑھے چلو۔۔۔ بڑھے چلو۔۔۔

اس کی آنکھوں میں جمع ہونے والے آنسو۔۔۔تشکر کے آنسو۔۔۔۔یہ ایک شاعر،ایک ادیب ،ایک سپاہی ،اور ایک انسان کی آخری پونجی تھی ،جسے وہ اپنی قوم کے نوجوانوں پر نچھاور کر رہا تھا۔۔۔

نسیم حجازی

ایبٹ آباد

۱۲ مئی ۱۹۴۹ء

The End ---------------------ختم شد

جتھیدار تھا۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تم ابھی تک یہاں کیا کر رہے ہو؟ ہم دو گاؤں صاف کر آئے ہیں اور تم آرام سے بیٹھے ہوئے ہو؟''

چرن سنگھ نے کہا۔ ''سردار جی! کیپٹن بلونت سنگھ کا بھائی ہم پھوٹ ڈال رہا ہے، یہ کہتا ہے کہ اگر ہم نے رحمت علی کے گاؤں پر حملہ کیا تو یہ مسلمانوں کی طرف سے ہمارا مقابلہ کرے گا!''

تھانیدار نے بلونت سنگھ کی طرف دیکھا اور بلونت سنگھ نے گھوڑے سے کود کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''اس کی رگوں میں میرے باپ کا خون نہیں۔ ایسا بے غیرت میرا بھائی نہیں ہوسکتا۔ یہ شروع سے مسلمانوں کے ساتھ تھا۔''

مہندر نے جواب دیا۔ ''میں اس لیے مسلمانوں کے ساتھ تھا کہ مجھے تمہارا گھر بچانے کی فکر تھی!''

''بدمعاش! مجھ سے بحث نہ کرو۔ تم باپو کے نام کو رسوا کر رہے ہو۔ تم پنتھ کے خلاف بغاوت کر رہے ہو۔''

''اگر پنتھ بے گناہوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے تو میں اس کا باغی ہوں!''

''خاموش!'' بلونت سنگھ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر پوری طاقت سے مکار سید کرتے ہوئے کہا۔ مہندر گرتے گرتے سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

چرن سنگھ کے لڑکے موہن سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''اس نے ماسٹر تارا سنگھ کی بے عزتی کی ہے۔ اگر یہ میرا بھائی ہوتا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔''

مہندر نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سراپا التجا بن کر کہا۔ ''بھائی!

مجھے مار ڈالو لیکن اس پاپ میں حصہ نہ لو۔''

تھانیدار نے آگ بگولا ہو کر کہا۔ ''اگر مسلمان کو مارنا پاپ ہے تو ہمارے گرو بھی پاپی تھے۔ سکھو! تم کیا سن رہے ہو؟ بلونت سنگھ تم کہتے تھے کہ اس علاقے کے سکھ بالکل تیار ہیں لیکن تمہارے اپنے گھر میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے!''

''میں اس پھوٹ کو ابھی ختم کیے دیتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے بلونت نے مہندر کو پے در پے کئی مکے رسید کیے۔ مہندر گر پڑا تو اس نے اسے تین چار ٹھڈے مارے۔ اچانک ایک نوجوان لڑکی آگے بڑھی اور چیختی چلاتی بلونت سے لپٹ گئی۔ یہ اس کی بہن بسنت تھی۔ ''بھائی تمہیں کیا ہو گیا۔ مہندر نے کیا قصور کیا ہے؟ اسے کیوں مارتے ہو؟'' وہ چلا رہی تھی۔

''حرامزادی تو یہاں کیوں آ گئی؟ چلی جا یہاں سے!'' یہ کہتے ہوئے بلونت نے اسے گردن سے پکڑ کر دھکا دیا اور وہ چند قدم دور جا گری۔

مہندر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، بلونت نے اس کی کمر میں ٹھڈا مارا اور وہ پھر منہ کے بل لیٹ گیا۔ بسنت اٹھ کر پھر بلونت سے لپٹ گئی اور چلانے لگی...... ''لوگو مہندر کو بچاؤ۔ میرے بھائی نے آج بہت پی لی ہے۔ اسے ہوش نہیں۔ اسے ہوش نہیں۔ اسے معلوم نہیں یہ کیا کر رہا ہے۔ یہ شراب سے اندھا ہو چکا ہے۔''

بلونت سنگھ اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ راستے میں وہ کہہ رہا تھا۔ ''حرامزادی! مجھے معلوم ہے وہ ٹامی گن تم سے چھپائی ہے۔ میں تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔ بتاؤ میری ٹامی گن کہاں ہے؟ میں تمہیں جان سے مار

ڈالوں گا۔'' گھر کے سامنے پہنچ کر بلونت اسے بری طرح پیٹ رہا تھا۔اس کی ماں چیختی چلاتی باہر نکلی ،اس نے بلونت کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس نے زور سے دھکا دیا اور وہ چند قدم دور پیٹھ کے بل جا گری ۔بلونت دوبارہ اپنی بہن کو بالوں سے پکڑ کر کہہ رہا تھا۔''بتاؤ! بتاؤ!! میری ٹامی گن کہاں ہے؟''



شہر کے چند آدمی علی اکبر کے زخمی ہونے کی خبر سن کر ہسپتال میں جمع ہو چکے تھے ۔ فجو ایک درخت کے نیچے سلیم اور مجید کے گھوڑوں کے پاس کھڑا تھا۔مجید ہسپتال کے ایک کمرے سے باہر نکلا ،لوگ اس کے گرد جمع ہو کر علی اکبر کے متعلق پوچھنے لگے ۔ مجید جواب دینے سے زیادہ انہیں ٹالنے کی کوشش کرتا ہوا آگے بڑھا اور فجو کے پاس جا کر بولا۔''فجو تم جاؤ،ان سے کہو کوئی نہ آئے ،ہم انہیں لے آئیں گے ۔چچا افضل کو الگ کر کے سمجھا دینا کہ ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے،وہ چند گھڑیوں کے مہمان ہیں ۔چچا افضل کو یہ بھی بتا دینا کہ وہ ہوشیار رہیں ۔ راستے میں رام چند کے گاؤں کے قریب سے گزرتے ہوئے ہم نے سکھوں کے نعروں سنے ہیں ۔صبح سے اب تک اس علاقے میں کئی جگہوں پر سکھوں کے حملے ہو چکے ہیں ۔گھر کے کسی آدمی کو یہاں نہ آنے دینا ۔یہاں اگر کسی کے ٹھہرنے کی ضرورت ہوئی تو میں سلیم کو چھوڑ کر تھوڑی دیر میں گاؤں پہنچ جاؤں گا۔تم جاؤ!''

کمرے میں سلیم اپنے باپ کے بستر کے قریب کھڑا تھا۔ ڈاکٹر نے دوسرا

انجکشن دینے کے بعد کہا۔ ''مسٹر سلیم ! شاید انہیں تھوڑی دیر کے لیے پھر ہوش آ جائے۔ ممکن ہے کہ آپ کوئی بات کر سکیں۔ میں دوسرے زخمیوں کو دیکھ آؤں۔''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں یہ نہیں کہوں گا کہ کوئی امید نہیں۔ کبھی کبھی قدرت معجزے بھی کر دیتی ہے۔ آپ دعا کریں، میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر چکا ہوں۔''

ڈاکٹر چلا گیا، تھوڑی دیر بعد مجید کمرے میں داخل ہوا اور چپ چاپ سلیم کے قریب کھڑا ہو گیا۔

کوئی دس منٹ کے بعد علی اکبر نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھول دیں اور سلیم اور مجید کو دیکھنے کے بعد اس کے ہونٹوں سے نحیف آواز نکلی۔ ''بیٹا ! گھر جاؤ، وہ حملہ کریں گے ...... وہ ضرور حملہ کریں گے ...... سلیم بیٹا ! تمہاری ماں نے مجھے تمہاری شادی کے لیے ایک انگوٹھی لانے کو کہا تھا ...... وہ میرے بٹوے میں ہے ڈاکٹر شوکت کا گھر بھی ہندوستان میں چلا گیا ہے ...... اب وہ تمہیں یہاں نہیں رہنے دیں گے لیکن سکھوں کو جاتے جاتے یہ ضرور بتا جانا کہ تم مسلمانوں کی اولاد ہو۔ مجید خاندان کی عزت بچانا۔ اب تم جاؤ، خدا کے لیے جاؤ، میری فکر نہ کرو۔ آندھی آنے سے پہلے گھر پہنچ جاؤ۔ سکھوں اور ہندوؤں کی دوستی پر بھروسہ نہ کرنا وہ اس وقت تک تمہارے دوست تھے، جب تک انہیں تمہارا ڈر تھا۔ اب پاکستان کے سوا مسلمانوں کا کوئی ٹھکانا نہیں جانتے ہو سب سے پہلے میرے سینے پر گولی کس نے ماری تھی؟ وہ میرا ہم جماعت تھا ...... لیکن وہ ایک سکھ تھا۔ سکھ اسی طرح دوستی کا حق ادا کرتے ہیں لیکن ہمیں پاکستان مل گیا ہے ...... اب ہمیں کوئی نہیں مٹا سکتا ......''

علی اکبر کوئی پندرہ منٹ سلیم اور مجید سے باتیں کرتا رہا۔ سلیم یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت کوئی معجزہ کر چکی ہے۔ اس نے نرس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''نرس! ڈاکٹر کو بلاؤ، اب طبیعت ٹھیک معلوم ہوتی ہے، شاید وہ اپریشن کر کے گولی نکال سکیں!''

نرس کو زخمی کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ اس کے خیال میں یہ بجھتے ہوئے چراغ کی آخری کوتھی۔ تاہم سلیم کے اصرار پر وہ ڈاکٹر کو بلانے کے لیے چلی گئی۔''

ڈاکٹر آیا تو سلیم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب! ابا جان ابھی ہم سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی لیکن یہ اچانک خاموش ہو گئے ہیں۔'' ڈاکٹر نے دل کی حرکت کا معائنہ کرنے کے بعد علی اکبر کی ایک آنکھ کھول کر دیکھی اور مغموم لہجے میں کہا۔ ''ان کا باتیں کرنا ایک معجزہ تھا۔ انجکشن دینے کے بعد بھی مجھے یہ تسلی نہ تھی کہ یہ ہوش میں آکر آپ سے باتیں کر سکیں گے۔ مجھے افسوس ہے۔''

سلیم پتھر کی مورتی کی طرح بے حس و حرکت کھڑا اپنے باپ کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند منٹ پہلے اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو جائیں گے اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔ مجید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ سلیم نے اس کی طرف دیکھا اور کچھ کہنے کی بجائے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ مجید کی آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے لیکن سلیم کی آنکھیں خشک تھیں۔

شہر کے چند آدمی لاش کو چارپائی پر ڈال کر سلیم کے گاؤں پہنچانے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ ابھی ہسپتال کے احاطے سے باہر نکلے تھے کہ ایک سرپٹ گھوڑا دوڑتا ہوا

آیا اور اس نے چند قدم دور گھوڑا روکتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ''سکھوں نے گاؤں پر دھاوا بول دیا ہے۔''

مجید نے چارپائی ایک درخت کے نیچے رکھوا کر ایک نوجوان کے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا۔ ''سلیم! تم یہیں رہو۔ میں جاتا ہوں۔''

سلیم نے دوسرے آدمی کے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی باگ چھینتے ہوئے کہا۔ ''میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا!''

''لیکن تم نہتے ہو!''

''ہم دونوں نہتے ہیں۔'' سلیم نے گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔

مجید نے ایک عمر رسیدہ آدمی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''حاجی صاحب! یہ لاش آپ کے پاس امانت ہے۔ اگر شام تک ہماری طرف سے کوئی اطلاع نہ آئے تو اسے دفن کرا دیں۔''

بوڑھے حاجی نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ ''بہت بیٹا! تم جاؤ!''

مجید گھوڑے پر سوار ہو گیا تو ایک نوجوان نے بھاگ کر اس کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے پاس کچھ نہیں، یہ لیجیے!''

مجید نے اس کے ہاتھ سے ایک چھوٹا سا خنجر لے لیا۔ ایک اور نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''میاں سلیم ٹھہریئے! ایک چیز میرے پاس بھی ہے!''

نوجوان نے آگے بڑھ کر اپنی شلوار کا پائنچہ اوپر اٹھایا اور ران کے ساتھ رومال

سے بندھا ہوا ایک چھوٹا سا ریوالور نکال کر سلیم کو پیش کیا۔ یہ وہی نوجوان تھا جو چند مہینے قبل سلیم کے ساتھ لاہور سے سائیکلو اسٹائل مشین لینے کے لیے گیا تھا۔ ''یہ بھرا ہوا ہے، میں آپ کو اور گولیاں بھی دیتا ہوں۔'' نوجوان نے اپنی شلوار کے نیفے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کپڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی نکال کر سلیم کو دیتے ہوئے کہا۔ ''اس میں چالیس گولیاں ہیں۔ آپ میرا خیال نہ کریں۔ میرے پاس ایک ریوالور فالتو تھا۔''

سلیم نے احسان مندانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ تھوڑی دور جا کر اس نے کہا۔ ''مجید ریوالور تم لے لو مجھے وہ چھرا دے دو......!''

''ابھی چلو! آگے چل کر دیکھا جائے گا۔''

مجید، سلیم اور فجو نے گھوڑے سرپٹ چھوڑ دیے۔



گاؤں کے ان چند مسلمانوں کے سوا جنھوں نے اپنے سکھ پڑوسیوں پر اعتماد کرنے کی غلطی کی تھی، باقی تمام اپنے بچوں سمیت رحمت علی کی حویلی میں جمع ہو چکے تھے۔ حملہ آور ''ست سری اکال' کے نعرے لگاتے ہوئے رہائشی مکانات کے پچھواڑے سے کوئی سو گز کے فاصلے پر رک گئے۔

جتھیدار نے بلونت سنگھ سے کہا۔ ''اب اس فوج کے سردار آپ ہیں۔ مجھے آج شام تک تمام علاقے کا چکر لگانا ہے۔ زیادہ بارود ضائع نہ کریں۔ شام تک مجھے آپ کی رپورٹ پہنچ جانی چاہیے!''

بلونت سنگھ نے کہا۔ ''شام تک آپ کو بہت اچھی رپورٹ ملے گی!''

''ہاں بھئی! اس گھر کے مال میں ہمارا بھی حصہ ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں، ہم سب کچھ آپ کے پاس لے آئیں گے۔ آپ جس طرح چاہیں تقسیم کریں!''

''میرا مطلب خوبصورت مال سے ہے!''

''سردار جی! مجھے صرف ایک چاہیے! باقی سب آپ کی ہیں!''

جتھیدار نے اپنے مسلح ساتھیوں میں سے چار کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دے کر گھوڑے کو ایڑ لگادی۔

بلونت سنگھ نے جتھے کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہدایات دیں۔ رہائشی مکانات کی بلند دیواروں کے باعث اس طرف سے حملہ کرنا مشکل تھا۔ بائیں طرف کی دیوار کے ساتھ رہائشی مکان کے دو وسیع دالان اور اس کے بعد باہر کی حویلی کے گودام اور مویشی خانے تھے۔ اس دیوار کے ساتھ ساتھ ایک تنگ گلی مویشیوں کی حویلی کے پھاٹک تک پہنچتی تھی۔ بلونت سنگھ نے ایک ٹولی کو گلی کے راستے اور دوسری ٹولی کو جوہڑ کے اوپر سے چکر لگا کہ سکھوں کے محلے سے پھاٹک کی طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔

پہلی ٹولی ابھی بالا خانے والے کونے سے چند قدم دور تھی کہ گلاب سنگھ برچھی لیے گلی سے نمودار ہوا اور ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں تمہیں آگ نہیں جانے دوں گا!'' اس نے بلند آواز میں کہا۔

''ہٹ جاؤ!'' ایک سکھ نے یہ کہہ کر اس کی طرف اپنی رائفل سیدھی کر دی۔

''تمہیں آگے بڑھنے کے لیے میری لاش کے اوپر سے گزرنا پڑے گا!''

''یہ کون ہے؟'' بلونت سنگھ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''اوہو گلاب سنگھ! آخر اپنے باپ کے بیٹے نکلے نا؟''

گلاب سنگھ نے اسے جواب دینے کی بجائے اپنی برچھی اس کی طرف سیدھی کر دی۔ بلونت نے دو تین قدم پیچھے ہٹ کر اپنی رائفل سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری یہ جرأت!''

موہن سنگھ بھی اپنا پستول اس کی طرف سیدھا کر چکا تھا لیکن گاؤں کے چند سکھ بیچ میں آپڑے اور انہوں نے بلونت سنگھ کو سمجھایا کہ اگر اس نے اندر سنگھ کے پوتے پر ہاتھ اٹھایا تو گاؤں کے بہت سے سکھ بگڑ جائیں گے۔ ابھی تکرار ہو رہی تھی کہ اندر سنگھ لاٹھی ٹیکتا ہوا گلی سے نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے گلاب سنگھ کے چچا اور گاؤں کے چند سکھ تھے۔ یہ سب برچھیوں اور کرپانوں سے مسلح تھے۔ اندر سنگھ نے قریب پہنچ کر کہا۔ ''گلاب سنگھ ہٹ جاؤ، ان کا راستہ مت روکو۔''

گلاب سنگھ کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ اس کے گاؤں کے بعض سکھ بھی جو جتھے کے ساتھ آئے تھے۔ حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

گلاب سنگھ نے اپنے دادا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''باباجی! یہ ہمارے گاؤں پر حملہ کرنے آئے ہیں۔''

اندر سنگھ نے کہا۔ ''یہ سکھوں اور مسلمانوں کی لڑائی ہے۔ آج تک مجھے یہ طعنہ دیا

جاتا تھا کہ میں رحمت علی سے ڈرتا ہوں لیکن آج کے بعد مجھے یہ طعنہ کوئی نہ دے سکے گا!''

''بابا ہم نے گرنتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے اور آپ نے بابا رحمت علی کو اپنا بھائی بنایا تھا۔''

''آج وہ بھائی چارٹوٹ چکا ہے۔ آج میں ایک سکھ ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے مکان کی چھت کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں پکارا۔ ''رحمت علی! تمہارے گھر میں بارات آئی ہے، چھپ کیوں گئے، باہر آؤ!''

چوہدری رحمت علی چند آدمیوں کے ساتھ چھت کی منڈیر کی آڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اندر سنگھ کی آواز سن کر فوراً اٹھا اور منڈیر کے پاس جا کھڑا ہوا...... بالا خانے کی چھت سے افضل نے آواز دی۔ ''ابا جان بیٹھ جاؤ! پیچھے ہٹ جاؤ، ان کے پاس بندوقیں ہیں!''

اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''مجھے کوئی نہیں مارے گا۔ میں نے کسی سے برائی نہیں کی۔ مجھے بات کرنے دو!''

منڈیر چھت سے ایک گز اونچی تھی۔ رحمت علی کا چھوٹا بھائی سر جھکا کر چلتا ہوا آگے بڑھا اور منڈیر کے قریب گھٹنوں کے بل ہو کر رحمت علی کا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ بھائی جان!''

رحمت علی نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور نیچے جمع ہونے والے سکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم کیا چاہتے ہو۔ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ ہم نے تمہارے

گھروں پر پہرہ دیا ہے۔تم نے گرنتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے......ہم نے تمہارے ساتھ کبھی دھوکا نہیں کیا۔ہم نے تمہاری بہو بیٹیوں کو..........''

وہ اپنا فقرہ پورا نہ کر سکا۔ایک سکھ نے نیچے سے بندوق چلا دی۔گولی رحمت علی کے سر میں لگی اور وہ منڈیر پر گر پڑا۔اس کا سینہ منڈیر پر اور بازو باہر کی طرف لٹکے ہوئے تھے۔اس کے بھائی نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔بلونت سنگھ نے رائفل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دو فائر کیے اور وہ زخمی ہو کر پیچھے گر پڑا۔نیچے گلاب سنگھ نے برچھی کے ساتھ بلونت سنگھ پر حملہ کیا۔لیکن موہن سنگھ نے اچانک پستول چلا دیا اور وہ سینے پر گولی کھا کر گر پڑا۔اندر سنگھ کے ہاتھ سے لاٹھی چھوٹ گئی اور وہ ایک چیخ مار کر پوتے کی لاش پر گر پڑا۔بالا خانے سے افضل نے یکے بعد دیگرے کئی فائر کیے اور تین سکھ زخمی ہو کر گر پڑے۔سکھ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹنے لگے اور افضل نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔نیچے حویلی کی دوسری طرف جمع ہونے والے مسلمانوں نے بلند آواز میں اللہ اکبر کہا۔

سکھ پستول کی گولیوں کی زد سے دور ہٹ کر اندھا دھند بالا خانے اور چھت پر گولیاں برسا رہے تھے۔رحمت علی کا آدھا دھڑ جو منڈیر سے باہر لٹک رہا تھا،گولیوں سے چھلنی ہو رہا تھا۔اس کی بیوی نے سیڑھیوں پر چڑھ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور بے اختیار دوڑتی ہوئی آگے بڑھی۔منڈیر کے قریب پہنچ کر ایک گولی اس کے سینے اور دوسری سر میں لگی اور وہ گرتے گرتے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ لپٹ گئی۔

وہ آدمی جو مکان کے اس حصے کی حفاظت پر متعین تھے،اس کی آمد سے اس وقت

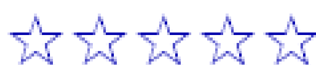
باخبر ہوئے جب وہ اپنے شوہر کے قریب پہنچ کر گولیوں سے زخمی ہو چکی تھی۔

سلیم کی بہن زبیدہ چھت پر چڑھی لیکن اچانک بالا خانے سے افضل نے اسے دیکھ لیا اور وہ پوری طاقت سے چلایا۔ ”زبیدہ آگے مت جاؤ، ہٹ جاؤ..... “زبیدہ تذبذب کی حالت میں کھڑی تھی کہ اس کی ماں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ افضل نے پھر کہا۔ ”بھابی کسی کو اوپر مت آنے دو۔ عورتوں اور بچوں کو دالان میں بٹھا کر دروازہ بند کر لو۔“

ایک نوجوان نے گھٹنوں کے بل آگے بڑھ کر رحمت علی اور اس کی بیوی کی لاشیں منڈیر سے اتار کر نیچے لٹا دیں۔“

بلونت سنگھ کی تجویز کے مطابق سکھ دو حصوں میں تقسیم ہو کر آگے بڑھے۔ وہ گروہ جو گنوں کے کھیتوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھا تھا، کسی وقت کا سامنا کیے۔ بغیر حویلی کے پھاٹک کی طرف جا نکلا لیکن دوسری ٹولی گلی میں داخل ہوئی تو چھت سے اینٹوں کی بارش ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی افضل نے بالا خانے سے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ چار آدمی پستولوں کی گولیوں اور پندرہ بیس اینٹوں سے زخمی ہو کر گر پڑے۔ اور باقی الٹے پاؤں بھاگ نکلے۔

بلونت سنگھ نے انہیں بھی گنوں کے کھیت سے گزر کر جوہڑ کے کنارے کنارے دوسری طرف پہنچنے کا حکم دیا۔



گاؤں کے جنوب میں گنوں کے آٹھ دس کھیت ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ مجید نے سیدھا گاؤں کا رخ کرنے کی بجائے ان کھیتوں کے درمیان سے گزرنے والی کھائی میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔

ایک کھیت کے کونے میں پہنچ کر مجید گھوڑے سے اتر پڑا اور باگ پکڑ کر بھاگتا ہوا کھیت کے اندر داخل ہو گیا۔ سلیم اور فجو نے اس کی تقلید کی۔ تھوڑی دیر میں وہ کھیت کے درمیان بیری کے ایک درخت کے نیچے پہنچ چکے۔ گھوڑوں کو درخت کے ساتھ باندھ کر انہوں نے گاؤں کو رخ کیا۔ گاؤں سے بندوقوں اور رائفلوں کی آوازوں کے ساتھ اللہ اکبر اور ست سری اکال کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ کھیت کے دوسرے کنارے پہنچ کر وہ ایک تنگ پگڈنڈی پر بھاگنے لگے۔ گاؤں کے قریب انہوں نے پگڈنڈی چھوڑ دی اور گنوں کے دو کھیتوں کے درمیان منڈیر پر ہو لیے۔ کوئی چالیس قدم چلنے کے بعد مجید نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ دس پندرہ قدم اور چلنے کے بعد رک گیا اور اس کے ساتھی بھی اس کے قریب کھڑے ہو گئے۔ یہاں سے کھیت کے سرے پر شیشم اور کیکر کے درختوں کی قطار دکھائی دے رہی تھی۔ مجید نے آہستہ سے کہا۔ ''تم یہیں ٹھہرو !''

مجید نے ابھی پانچ چھ قدم ہی اٹھائے تھے کہ کسی کی آواز سنائی دی۔ ''سیٹھ رام چند! میرا بارو دبلونت سنگھ نے لے لیا ہے!''

''بلونت سنگھ کا اپنا تھیلا بھرا ہوا تھا، وہ ختم ہو گیا؟''

''وہ چند آدمیوں کو لے کر مسجد کے اوپر چڑھا ہے، وہاں سے خوب نشانے لگیں گے۔ ابھی تھوڑی دیر میں فیصلہ ہو جائے گا۔ ارے کندن لال! تم یہاں کیوں کھڑے ہو، جاؤ۔ اس طرف کون آئے گا؟''

''خطرے تو ہے نا سردار جی!''

''یہاں کون آئے گا؟ چلو اس طرف تماشا دیکھو۔''

سیٹھ رام چند نے کہا۔ ''نہیں سردار جی، ادھر آ جانا آپ جیسے سورماؤں کا کام ہے۔ ہم پکڑیاں کھانے والے ہیں۔ ہم ادھر سے کبھی کبھی فائر کر دیتے ہیں۔ نشانہ لگے یا نہ لگے، کم نہ کم اتنا فائدہ تو ضرور ہے۔ کہ ان کے کچھ آدمی ادھر بٹے ہوئے ہیں۔ بلونت سنگھ نے بھی ہمیں کہا تھا کہ تم یہیں رہو۔ آپ بھی بیٹھ جائیں سردار جی! یہ مٹھی بھر مسلمان کب تک لڑیں گے۔ بھگوان کی کرپا سے بیس پچیس مسلوں کے لیے تو آپ کا لڑکا ہی کافی ہے!''

مجید نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر زمین پر لیٹ کر گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ کھیت کی منڈیر پر درختوں کے درمیان جنگلی بوٹیاں اور بیلیں اگی ہوئی تھیں اور منڈیر سے آٹھ دس قدم کے فاصلے پر شیشم کے درخت کے سائے میں سیٹھ رام چند، کندن لال اور چرن سنگھ کھڑے تھے۔ تینوں کے ہاتھ میں رائفلیں تھیں۔ رام چند اپنے تھیلے سے کارتوس نکال کر چرن سنگھ کو دے رہا تھا۔ مسجد کی طرف سے یکے بعد دیگرے آٹھ دس فائر ہوئے اور چرن سنگھ نے کہا۔ ''دیکھا بلونت سنگھ نے فائرنگ شروع کر دی۔''

رام چند نے کہا۔ ’’یار! اس کا بھائی بڑا بودا نکلا۔‘‘

’’یار! بہادر تو یہ بھی نہیں۔ نرا دکھاوا ہی ہے۔ اصل میں اس کی آنکھ رحمت علی کی پوتی پر ہے!‘‘

رام چند نے چونک کر کہا۔ ’’کس پر، سلیم کی بہن پر؟ ارے یار وہ تو تمہارے موہن کو ملنی چاہیے۔ میری کوشلیا اس کی بڑی تعریف کیا کرتی ہے۔‘‘

چرن سنگھ نے کہا۔ ’’اچھا دیکھا جائے گا، میں جاتا ہوں لیکن بھائی تمہارے پاس دو رائفلیں اور ایک پستول بے کار پڑا ہے، ایک رائفل مجھے دے دو۔ میں کسی اور کو دے دوں گا۔‘‘

’’دیکھو سردار جی! میں نے آپ کو تین رائفلیں لا کر دی ہیں۔ مجھ سے یہ نہ لو، شاید مجھے بھی کوئی نشانہ لگانے کا موقع مل جائے!‘‘

مجید نے پستول نکال کر منڈیر پر سے کودتے ہوئے کہا۔ ’’ہتھیار پھینک دو! ہاتھ اٹھا لو، ہلو مت!‘‘ اور اس کے ساتھ ہی اس نے چرن سنگھ پر پستول کا فائر کر دیا۔ چرن سنگھ کے سر میں گولی لگی اور گرتے وقت اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ رام چند اور کندن لال کے ہاتھوں سے رائفلیں گر پڑیں۔ سلیم اور رجو پہلوان نے دوڑ کر تینوں رائفلیں اٹھا لیں۔ مجید نے الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ’’تم دونوں ادھر آؤ، جلدی کرو!‘‘

رام چند اور اس کا بیٹا مجید کے پستول کے اشارے پر منڈیر عبور کر کے گنوں کے کھیت میں پہنچ گئے۔ سلیم نے رام چند کا پستول اور بارود کا تھیلا اتار لیا اور رجو نے

کندن لال کے گلے سے تھیلا اتار لیا۔

رام چند نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''صوبیدار جی! بھگوان کی قسم ہم نے انہیں منع کیا تھا لیکن ہماری کون سنتا ہے۔''

مجید نے کہا۔ ''ذرا آگے چلو اور بکواس مت کرو!''

''ہم پر دیا کرو، مہاراج! ہم نے کچھ نہیں۔''

مجید نے کہا۔ ''ہم تمہیں ایک شرط پر چھوڑنے کے لیے تیار ہیں!''

رام چند نے گھگھیا کر کہا۔ ''مہاراج! مجھے جو کہیں میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

مجید نے کہا۔ ''ہمیں آدھ گھنٹے کے اندر تین اور رائفلوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہر رائفل کے ساتھ پانچ سو گولیاں بھی چاہئیں۔ تمہارا لڑکا ہمارے پاس رہے گا۔ اگر یہ سامان ہمیں آدھ گھنٹے تک نہ پہنچا تو کندن لال کو گولی مار دی جائے گی!''

''مہاراج! میرے پاس دو رائفلیں اور ہیں لیکن وہ گھر میں ہیں۔ کارتوس میں آپ کو زیادہ بھی دے سکتا ہوں لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ میرے بیٹے کو گولی نہیں ماریں گے؟''

''تمہاری مرضی ہے تو ہم پر یقین کرو، ورنہ ہم تمہارے سامنے اسے گولی مارتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے مجید نے کندن لال کی طرف پستول سیدھا کر دیا۔

رام چند نے کہا۔ ''مہاراج! مجھے تم پر یقین ہے۔ چودھری رحمت علی کا پوتا جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتا لیکن میں آدھ گھنٹے میں اتنا سامان لے کر کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ مجھے

زیادہ وقت دیجیے۔ میں گھوڑے پر واپس آجاؤں گا لیکن آدھ گھنٹہ صرف مجھے وہاں پہنچنے کے لیے چاہیے!''

مجید نے کہا ''بہت اچھا! میں تمھیں پینتالیس منٹ دیتا ہوں۔ تم گھوڑے پر سامان لادکر لاؤ اور اس کھیت کی دوسری طرف شیشم کے درخت کے نیچے پہنچ کر گھوڑا ہمارے آدمی کے حوالے کر دو۔ اگر تم نے کوئی شرارت کی تو یقین رکھو کہ تمھارا بیٹا تمھیں نہیں ملے گا!''

''مہاراج! جب سامان سے لدا ہوا گھوڑا آپ کو مل جائے گا تو آپ کندن لال کو چھوڑ دیں گے؟''

مجید نے جھلا کر کہا۔ ''بدمعاش میرا وقت ضائع نہ کرو۔ کندن لال کو ہم اس وقت چھوڑیں گے جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے کوئی شرارت نہیں کی، ابھی بھاگو، اگر کوئی اور بات کی تو تم دونوں کو گولی ماردوں گا!''

رام چند کماد سے نکل کر بھاگا لیکن منڈیر عبور کر کے اس نے پھر ایک بار مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج! اپنی گھڑی پر وقت دیکھ لیں!''

''بے ایمان جلدی کرو!''

سیٹھ رام چند زندگی میں پہلی بار اپنی پوری طاقت سے بھاگ رہا تھا اور ہر قدم پر اس کے منہ سے یہ آوازیں نکل رہی تھیں .... ''ہائے بھگوان! یہ کیا ہوا۔ مجھے اکھنڈ ہندوستان کی ضرورت نہیں .... مجھے رام راج نہیں چاہیے .... مجھے صرف اپنا بیٹا چاہیے .... پینتالیس منٹ .... دو ہزار سات سو سیکنڈ .... ایک

، دو، تین، چار...... وہ گنتا جا رہا تھا۔

سلیم، فجو پہلوان کی پگڑی کے ساتھ کندن لال کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ مجید نے فجو کو ایک طرف لے جا کر کہا۔ ''چچا فجو! تم اسے بیری کے نیچے لے جاؤ۔ اگر یہ ہلے یا بولے تو تم بڑی آسانی کے ساتھ اس کی گردن مروڑ سکو گے۔ وہاں جا کر اسے درخت کے ساتھ اچھی طرح باندھ دینا۔ اس کی قمیص کا ٹکڑا پھاڑ کر اس کے منہ میں ٹھونس کر اوپر سے باندھ دینا تاکہ یہ شور نہ مچا سکے۔

''آپ فکر نہ کریں، میں اسے اس طرح باندھوں گا کہ نانی یاد آجائے گی!''

''شاباش! پھر کوئی پونے گھنٹے کے بعد تم اس شیشم کے درخت کے پاس چھپ کر اس کے باپ کا انتظار کرو، اس بات کی تسلی کر لینا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ پھر گھوڑے سامان اتار کر شیشم کے درخت کے دائیں طرف پانچ قدم دور...... اس کے بعد رام چند کو اس کے بیٹے کے پاس لے جانا۔ ہاں اس کی تلاشی ضرور لے لینا۔ پھر اسے بھی باندھ کر تم وہیں بیٹھے رہو۔ بس اب تم اسے لے جاؤ۔ سلیم سے خنجر لے لو، شاید تمہیں ضرورت پڑے اور گھوڑں کی زینیں اور لگامیں اتار کر انہیں کھلا چھوڑ دو!''

سلیم نے کہا۔ ''مجید وقت جا رہا ہے!''

مجید بولا۔ ''یہ لڑائی نہیں، ایک طویل جنگ ہے۔ سلیم، خدا معلوم فیصلہ کب ہوا اور کہا ہوا؟ ابھی ابتدا ہوئی ہے۔ ہمیں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہے۔''

سلیم نے کہا۔ ''ہمارا رائفلیں لے کر اندر پہنچنا ضروری ہے!''

"میں دیکھتا ہوں، اگر اس طرف چھت پر کوئی نظر آ گیا تو کم از کم رائفلیں تو پہنچا سکیں گے۔" مجید یہ کہہ کر کماد کے کھیت کی منڈیر کے پاس جامن کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اچانک وہ یہ کہتا ہوا تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگا۔ "سلیم! وہ باہر کی حویلی میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس طرف ہمارا کوئی آدمی نہیں!"

بندوقوں اور رائفلوں کی تڑتڑ اور سکھوں اور مسلمانوں کے نعروں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سلیم ایک رائفل اور کارتوسوں کا تھیلا اٹھا کر بھاگنے کو تھا کہ مجید نے "ٹھہرو! ٹھہرو!!" کہتے ہوئے اوپر سے چھلانگ لگا دی اور اس کا بازو پکڑ کر کہا۔ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ایک ہزار آدمیوں میں گھس کر انہیں ہانک دو گے تو تم پاگل ہو۔ ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے، میرے ساتھ آؤ!"

مجید اور سلیم رائفلیں اور تھیلے اٹھا کر کھیت کے کنارے اور درختوں کی آڑ میں بھاگتے ہوئے دوسرے کونے میں آم کے درخت کے قریب پہنچے۔ مجید نے دو رائفلیں ایک گھنی جھاڑی کے نیچے چھپاتے ہوئے کہا "سلیم! تم آم پر چڑھ جاؤ، میں مسجد کی چھت پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں، مسجد کی پچھلی طرف سیڑھی لگی ہوئی ہے، اگر کوئی مجھے دیکھ کر سیڑھی کی طرف بڑھا تو فائر کر دینا، ورنہ اس وقت تک فائر نہ کرو۔ جب تک کہ میں ہاتھ سے اشارہ نہ کروں۔"



جب تک مسجد کی چھت سے فائر شروع نہیں ہوئے تھے، حویلی میں پناہ لینے والے مٹھی بھر مسلمانوں کی لاٹھیاں اور برچھیاں کئی بار بیرونی دیوار پھاندنے اور پھاٹک توڑنے والے حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر چکی تھیں۔ ایک ٹولی نے گلی کی طرف سیڑھی لگا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن افضل نے بالاخانے سے فائر کر کے انہیں بھگا دیا۔ سکھوں نے پہلی بار پھاٹک توڑنے کی کوشش کی تو اندر سے اینٹوں کی بارش میں انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے بعد دیوار پھاندنے کی کوشش کرنے والوں کو لاٹھیوں اور برچھیوں سے روکا گیا تو حملہ آوروں نے پیچھے ہٹ کر رائفلوں کے ساتھ پھاٹک پر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ کئی آدمی جو اندر سے پھاٹک کو بند رکھنے کے لیے زور لگا رہے تھے، زخمی ہو کر ایک طرف ہٹ گئے۔ حملہ آوروں کی ایک ٹولی نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا اور لوہے کی مضبوط کنڈی ٹوٹ جانے سے پھاٹک کھل گیا۔ اب دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔

افضل اپنے پستول کی آخری گولی چلانے کے بعد تلوار اٹھا کر باہر کی حویلی میں پہنچ چکا تھا۔ آس پاس کی چھتوں پر پہرہ دینے والے باقی نوجوانوں نے بھی نیچے کود کر حملہ کر دیا۔ چھروں، چاقوؤں، برچھیوں اور لاٹھیوں کی لڑائی میں سکھ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور کوئی دس منٹ کی لڑائی میں تیس لاشیں چھوڑ کر الٹے پاؤں باہر نکل گئے۔ اس نقصان کے بعد کسی کو پھاٹک یا دیوار کے قریب جانا پسند نہ تھا۔ مسلمانوں نے پھاٹک دوبارہ بند کر لیا اور ایک چھکڑا دھکیل کر ساتھ کھڑا کر دیا۔ افضل نے سکھوں کی دو لاشیں گھسیٹ کر پہیوں کے آگے رکھ دیں اور اس کے اشارے پر دوسروں نے

باقی زخمی اور مردہ سکھوں کو اٹھا کر چھکڑے کے نیچے اور اوپر ڈال دیا۔ مسلمان اب دیوار کے ساتھ کھڑے دوسرے حملے کا انتظار کر رہے تھے لیکن سکھ اب پیچھے ہٹ کر صرف نشانہ بازی کر رہے تھے۔

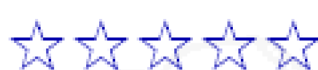
چند نوجوانوں نے زخمیوں کو اٹھا کر گھر کے دالان میں عورتوں اور بچوں کے پاس پہنچا دیا۔

بندوقوں اور رائفلوں کی ٹھا ٹھک اچانک بند ہو گئی اور سکھوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ افضل نے کہا۔ ''اسماعیل تم بالا خانے پر جاؤ۔ اگر ادھر سے کوئی حملہ ہو تو اطلاع دو!''

اسماعیل بھاگا۔ گھر کے مکان کا صحن عبور کرنے کے بعد وہ مکان کی نچلی چھت سے ہوتا ہوا بالا خانے کی سیڑھی پر چڑھا۔ ابھی وہ سیڑھی کے درمیان میں تھا کہ بیک وقت رائفلوں اور بندوقوں کے تین چار فائر ہوئے، ایک گولی اس کی کمر، دوسری بازو اور تیسری ٹانگ میں لگی لیکن وہ گرتا، سنبھلتا اور لڑھکتا ہوا اوپر چڑھ گیا اور بالا خانے کی آخری سیڑھی پر منہ کے بل گر پڑا۔ چند سیکنڈ کے بعد وہ پیٹ کے بل رینگتا ہوا۔ چھت پر پہنچ گیا۔ چھت کے ایک کونے میں پاکستان کا وہ جھنڈا ابھی تک لہرا رہا تھا جو 14 اگست کو نصب کیا گیا تھا۔

بالا خانے کی منڈیر پر گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ چند گولیاں جھنڈے کے بانس میں لگیں اور وہ درمیان سے ٹوٹ کر اسماعیل کے اوپر گر پڑا۔ اسماعیل ٹوٹا ہوا جھنڈا پکڑ کر پیٹ کے بل رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ منڈیر کے قریب پہنچ کر وہ گھٹنوں

کے بل اٹھا اور پھر ایک ہاتھ سے منڈیر کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اور دوسرے ہاتھ سے جھنڈے کو اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے پکارا۔ ''پاکستان زندہ باد! پاکستان زندہ باد! پاکستان......'' ایک گولی اس کے سینے میں لگی اور وہ جھنڈے سمیت منہ کے بل گر پڑا۔ سبز جھنڈے پر سفید چاند اور ستارے کا نشان اس کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔



رائفلوں اور بندوقوں سے مسلح ٹولی کے مسجد کی چھت پر پہنچ جانے سے مویشیوں کی حویلی کا صحن اور گھر کے مکانات کی چھتیں گولیوں کی زد میں آ چکی تھیں اسماعیل کے گرتے ہی بلونت سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے حویلی کے صحن میں جمع ہونے والوں پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ دو منٹ کے اندر اندر پندرہ آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔ چند آدمی بدحواس ہو کر مویشیوں کے کمرے میں گھس گئے اور باقی افضل کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔ بلونت سنگھ نے نیچے جمع ہونے والوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور انہوں نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ یہ حملہ دوسرے حملوں کی نسبت کہیں زیادہ منظم اور شدید تھا۔ بیس پچیس آدمیوں نے ایک ساتھ آگے بڑھ کر پھاٹک کو دھکا دیا۔ پیشتر اس کے کہ لوگ مزاحمت کے لیے آگے بڑھتے، چھکڑا لاشوں کے ڈھیر سمیت اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ کواڑ کھل گئے اور حملہ آوروں کا ایک گروہ نعرے لگاتا ہوا داخل ہو گیا۔ دوسرا گروہ جسے گاؤں کے سکھوں

نے سیڑھیاں مہیا کی تھیں، گلی کی طرف سے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گیا۔ اس گروہ کے ساتھ تین آدمی بارہ بور کی بندوقیں لیے ہوئے تھے۔

مسلمان اب زندگی کی نسبت موت کو زیادہ قریب سمجھ کر لڑ رہے تھے۔ ایک طرف صحن میں کرپانوں اور برچھیوں کے ساتھ حملہ کرنے والوں سے ان کی دست بدست لڑائی تھی اور دوسری طرف مسجد اور مکانوں کی چھتوں سے بندوقوں والے ان پر تاک کر نشانے لگا رہے تھے۔ بار بور کے چھروں سے مسلمانوں کے ساتھ چند سکھ بھی زخمی ہو گئے۔ اس لیے انہوں نے فائر بند کر دیے لیکن مسجد سے رائفلوں کے فائر بدستور ہوتے رہے۔

بلونت سنگھ مسجد کی چھت پر کھڑا نعرے لگا رہا تھا۔ ''شاباش بہادرو! اب قلعہ فتح ہو چکا ہے، کسی کو مت چھوڑو! عورتوں کو نکال اور مکانوں کو آگ لگا دو۔ شاباش!'' اچانک اس کی پیٹھ پر گولی لگی اور وہ ایک چیخ مار کر سر کے بل چھت سے پندرہ فٹ نیچے آ گرا۔ اس کے ساتھ جو بیٹھ کر فائر کر رہے تھے۔ اچانک کھڑے ہو گئے اور جھک کر نیچے دیکھنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے اپنے لیڈر کے گرنے کی وجہ سے پوچھ رہے تھے کہ پیچھے سے رائفل چلنے کی آواز آئی اور یکے بعد دیگرے دو اور آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔ باقی تین اچانک منہ کے بل لیٹ گئے۔

موہن سنگھ اپنے ساتھیوں سے پوچھ رہا تھا۔ ''یہ گولیاں کہاں سے آئیں؟''

مجید منڈیر کے قریب سر نکال کر جھانکنے کے بعد اچانک چھت پر چڑھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ اس نے کسی توقف کے بغیر دس گولیاں چلا

دیں اور چھت پر لیٹنے والوں میں سے کسی کو اٹھنے کا موقع نہ دیا..... اس کے بعد اس نے ایک رائفل اٹھالی اور حویلی کی طرف حملہ کرنے والوں پر فائر شروع کر دیے۔ اس کی پہلی گولیاں ان دو سکھوں کے سینوں پر لگیں جو مویشیوں کے کمرے کی چھت پر بندوقیں لیے کھڑے تھے۔ ایک رائفل کا میگزین خالی ہوا۔ تو اس نے دوسری اٹھا لی۔ اتنی دیر میں زخمیوں میں سے ایک سکھ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجید نے اچانک اس پر فائر کر دیا۔ ایک اور سکھ ہل رہا تھا، مجید نے اس کے سر میں بندوق کا کندا مارا اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کے بعد وہ ایک مشین کی سی پھرتی کے ساتھ حملہ آوروں پر فائر کر رہا تھا۔ اتنی دیر میں سلیم درخت سے اتر کر اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے چھت پر چڑھتے ہی بانس کی سیڑھی اوپر کھینچ لی اور مجید کے قریب بیٹھ کر فائر شروع کر دیے۔ بارود کی کمی نہ تھی۔ دو تھیلوں کے علاوہ جو انہوں نے کندن لال اور رام چند سے چھینے تھے، چھ سکھوں کے بھرے ہوئے تھیلے بھی ان کے قبضے میں آ چکے تھے۔ سکھوں میں افراتفری مچ گئی۔

مجید نے سلیم سے کہا۔ "سلیم! تم صرف دروازے سے باہر نکلنے والوں پر فائر کرو، حویلی میں تمہاری گولی کسی اپنے آدمی کو نہ لگ جائے۔" کوئی پندرہ منٹ میں حویلی کے پھاٹک سے اندر اور باہر ڈیڑھ سو سکھ ڈھیر ہو چکے تھے اور باقی بے تحاشا ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

سکھوں کی ایک ٹولی جو گلی سے سیڑھیاں لگا کر رہائشی مکانوں کی چھتوں پر پہنچ

چکی تھی، اب صحن میں داخل ہو کر ان دالان کے دروازے توڑنے کی کوشش کر رہی تھی
۔جہاں عورتوں اور بچوں کے علاوہ زخمی پڑے ہوئے تھے۔

مویشیوں کی حویلی سے بھی بعض سکھوں نے گولیوں کی بوچھاڑ میں پھاٹک کے راستے باہر آنے کی بجائے اندر کا رخ کیا اور رہائشی حویلی کے صحن میں پہنچ گئے۔وہ دو حویلیوں کے درمیان ڈیوڑھی کا دروازہ بند کرنا چاہتے تھے لیکن افضل کو بروقت اس نے خطرے کا احساس ہوا اور اس نے بھاگ کر پوری قوت کے ساتھ ایک کواڑ اندر کی طرف دھکیل دیا۔ایک سکھ جو اندر سے کنڈی لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔چند قدم دور پیٹھ کے بل جا گرا۔افضل ڈیوڑھی میں داخل ہو کر سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ سکھ اس پر ٹوٹ پڑے۔ایک برچھی اس کی ران اور دوسری اس کے پیٹ میں لگی۔دوسری برچھی کی نوک ریڑھ کی ہڈی کے قریب باہر نکل آئی۔افضل نے بائیں ہاتھ سے برچھی کا دستہ پکڑتے ہوئے دائیں ہاتھ سے حملہ آور کے سینے میں اپنی برچھی ماردی۔ وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور افضل لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

سکھ ''گھیر لو، پکڑ لو ، مار ڈالو۔'' کہتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے اور وہ انہیں ایک ہاتھ سے دور رکھنے اور دوسرے ہاتھ سے پیٹ میں پھنسی ہوئی برچھی کو سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔اتنی دیر میں باقی مسلمان وہاں پہنچ گئے۔غلام حیدر نے یکے بعد اپنی تلوار سے دو سکھوں کو مار گرایا۔بشیر نے ایک کو اپنی کلہاڑی سے چت کر دیا۔باقی سکھ ڈیوڑھی سے بھاگ کر صحن میں جمع ہونے والے جتھے سے جا ملے۔

سکھوں کی تعداد یہاں بھی بچے کھچے مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی۔ یہ صحن سلیم اور مجید کی گولیوں کی زد سے محفوظ تھا۔ لڑنے والے مسلمانوں میں سے اب بہت کم ایسے تھے جو زخمی نہ تھے۔ تاہم عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے وہ جان توڑ کر لڑ رہے تھے، افضل نے آخری بار ہمت کی اور ایک گرے ہوئے سکھ کی تلوار اٹھا کر ڈیوڑھی سے نکلا اور صحن میں ایک دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ دو سکھ پیچھے ہٹتے ہوئے اس کے قریب آ گئے اور اس نے یکے بعد دیگرے دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ شیر سنگھ کے بھائی نے آگے بڑھ کر اس کے سر میں کرپان ماردی اور چلایا۔ ''میں نے افضل کو ختم کر دیا ہے۔ میں نے افضل کو......'' بشیر نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر کلہاڑی ماری اور وہ افضل کے پاس گر کر تڑپنے لگا۔

افضل کے گرنے سے سکھوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ جم کر لڑنے لگے۔

اچانک مجید دونوں ہاتھوں میں پستول لیے ڈیوڑھی کے راستے بھاگتا ہوا صحن میں داخل ہوا۔ اس نے یکے بعد دیگرے دونوں پستولوں سے چند فائر کیے۔ ہری سنگھ دالان کے دروازے پر پٹرول چھڑک رہا تھا، ایک گولی اس کی پیٹھ پر لگی اور وہ گر پڑا۔ باقی سکھ ''صوبیدار آ گیا'' کہتے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ مجید صحن سے گزر کر سیڑھی کے درمیان کھڑا ہو گیا اور سکھوں پر تاک تاک کر نشانے لگانے لگا...... سکھ انتہائی بدحواسی کی حالت میں ایک دوسرے کو دھکیلتے، گراتے اور پاؤں تلے روندتے ہوئے ڈیوڑھی کے راستے مویشیوں کی حویلی میں آ گئے۔ یہاں سے باہر کا پھاٹک

عبور کرتے وقت ان میں سے بعض سلیم کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اور باقی سکھوں کے محلے کی طرف بھاگ گئے۔ چار سو کے قریب سکھ جنہوں نے مسجد کی چھت پر مجید اور سلیم کا قبضہ ہوتے ہی میدان چھوڑ دیا تھا، سکھوں کے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اپنے باقی ساتھیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ گاؤں کی سکھ عورتیں بھی اپنے اپنے کوٹھوں پر کھڑی سینوں پر دوہتڑیں مار مار کر مسلمانوں کو گالیاں دے رہی تھیں۔



اس عرصہ میں گاؤں کے دوسرے حصوں میں بھی چند المناک واقعات پیش آ چکے تھے۔ بعض مسلمانوں نے حملے کے وقت اپنے سکھ پڑوسیوں کے ہاں پناہ لی تھی۔ حملہ آور پسپا ہو کر سکھوں کے محلے میں جمع ہوئے تو گاؤں کے بعض سکھ انہیں یہ کہہ کر اپنے گھروں میں لے گئے کہ انہوں نے شکار گھیر رکھا ہے۔ گھرے ہوئے شکار پر طاقت آزمائی ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ پیر اندتہ چوکیدار نے اپنے پڑوسی عطر سنگھ کے ہاں پناہ لی تھی۔ پیر اندتہ کے تین لڑکوں کو قتل کر دیا گیا اور اسے جب تک زندہ رکھا گیا۔ جب تک اس کی لڑکی کی چیخیں اور سسکیاں اکھڑی اکھڑی سانسوں میں تبدیل نہ ہو گئیں۔ وہ بیری کے درخت کے ساتھ بندھا ہوا چلا رہا تھا۔ ''مجھے مار ڈالو، خدا کے لیے مجھے مار ڈالو، میں یہ نہیں دیکھ سکتا، میری آنکھیں نکال دو، اسے چھوڑ دو، دیکھو! اب وہ مر چکی ہے۔''

مہر دین جلاہا شہر کے کارخانے میں ایک مزدور تھا۔ حملے سے ایک دن قبل اسے

اپنے ماموں کے فوت ہو جانے کی اطلاع ملی تھی اور وہ اس کی فاتحہ خوانی کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں بیلا سنگھ کی بیوی اس کے بال بچوں کو اپنے گھر لے گئی تھی۔ سہ پہر کے وقت شکست خوردہ سکھ گاؤں کے مشرق کی طرف آموں کے باغوں میں جمع ہو رہے تھے۔ مہر دین واپس آ گیا۔ اپنے گھر پہنچنے کے لیے اسے باغ میں سے گزرنا تھا لیکن سکھوں کا ہجوم دیکھ کر وہ سائیں اللہ رکھے کے تکیے کی طرف ہو لیا۔ اللہ رکھا کی لاش آم کے اس درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی جس کی گٹھلی اس نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی۔ اس کی کوٹھری کے دروازے کے سامنے دو اجنبی آدمیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مہر دین اپنے راستے میں مسلمانوں کے ایک گاؤں کو جلتا ہوا دیکھ آیا تھا۔ اب باغ میں سکھوں کا ہجوم اور لاشیں دیکھنے کے بعد اس کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ اس کے گاؤں پر بھی حملہ ہو چکا ہے۔ ''میری بیوی...... میری بچے...... میری ماں۔'' وہ چلانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی آواز حلق سے باہر نہ آسکی۔ وہ اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا۔ ''میں غریب ہوں، میں مزدور ہوں، میرا کوئی دشمن نہیں۔ میں نے کبھی کسی کو ناراض نہیں کیا۔ چچا بیلا سنگھ نے انہیں بتا دیا ہوگا کہ یہ مہر دین کا گھر ہے، وہ اپنے ماموں کی فاتحہ خوانی کے لیے گیا ہوا ہے۔ اس کے بچوں کو کچھ نہ کہو۔ جگت سنگھ کو اس نے پچھلے دنوں بیس روپے ادھار دیے تھے اور اب تک نہیں مانگے تھے۔ اس لیے اس نے بھی جتھے کو منع کیا ہوگا اور پھر چوہدری رحمت علی، اس کے بھائیوں، اس کے بیٹوں اور پوتوں کی موجودگی میں اس گاؤں پر حملہ نہیں ہو سکتا، وہ کئی مہینوں سے علاقے کے سکھوں کی حفاظت کر رہے تھے لیکن یہ سائیں اللہ

رکھا اور یہ دو مسافر؟..........انہیں سکھوں نے غلطی سے مار دیا ہوگا.....شراب کے نشے میں سکھوں سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔"

سکھوں کے کوٹھوں پر عورتیں چلا رہی تھیں۔ مہر دین نے سوچا۔ وہ جتھے کو برا بھلا کہہ رہی ہیں.....وہ سکھوں کو کہہ رہی ہیں کہ گاؤں کی مسلمان عورتیں ہماری بہنیں ہیں۔ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ پھر بھی اتنے بڑے جتھے کو گالیاں دینا ٹھیک نہیں۔ کبھی انسان کو غصہ بھی آجاتا ہے اور خاص کر جب سکھ شراب پی کر جمع ہوتے ہیں۔ تو انہیں کسی نہ کسی پر غصہ ضرور آجاتا ہے۔ سائیں اللہ رکھا اور ان دو مسافروں نے ضرور انہیں گالیاں دی ہوں گی، اب یہ کمبخت عورتیں انہیں چڑا رہی ہیں.........یہ بہت بری بات ہے گاؤں کے سکھوں کو انہیں سمجھانا چاہیے کہ بہنو! تم اطمینان سے گھروں میں بیٹھ جاؤ، جتھے والے ہمارے مسلمان پڑوسیوں کو کچھ نہیں کہیں گے.....پھر عقل مند آدمیوں کو ان سکھوں کے پاس آ کر یہ کہنا چاہیے کہ سردارو! عورتیں بے وقوف ہوتی ہیں، ان کی باتوں کی پروا نہ کرو، ہم تم سے معافی مانگتے ہیں۔ اندر سنگھ، بیلا سنگھ، کچھمن سنگھ اور بابا رحمت علی بھی ان کے ساتھ چلا آئے تو کوئی ہرج نہیں۔ بابا رحمت علی نے کئی بار سکھوں اور مسلمانوں کو جمع کر کے تقریریں کی ہیں۔ اس کی بات میں بڑا اثر ہے۔ شراب پی کر غصہ ضرور آجاتا ہے لیکن اگر کوئی سمجھانے والا ہو تو وہ سمجھ بھی جاتے ہیں۔ جب کارخانے میں ہڑتال ہوئی تھی تو سکھ مزدوروں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا۔ کارخانے کے مالکوں نے بہت کوشش کی تھی کہ سکھ اور مسلمان آپس میں لڑ پڑیں لیکن مزدوروں کا لیڈر جب اسٹیج پر آ کر یہ کہتا۔ "مزدور ساتھیو! تم آپس میں بھائی

بھائی ہو۔‘‘ تو معاملہ ٹھیک ہو جایا کرتا تھا...... اس جتھے میں کئی مزدور ہوں گے لیکن کاش میں اس جتھے کے سامنے ایسی تقریر کر سکتا لیکن مجھے ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ میں اپنی بیوی کو چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا۔ سکھوں کو اگر خالصہ جی یا سردار جی کہہ کر سلام کیا جائے تو وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں، میں انہیں سلام کروں گا۔ خالصہ جی سلام۔ سردار جی سلام۔‘‘ اب مہر دین کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ خالصہ جی کہلا کر زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ یا سردار جی کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اچانک اسے خیال آیا کہ سکھ ’’واہگورو جی کا خالصہ، واہگورو جی کی فتح‘‘ اور ’’ست سری کال‘‘ بھی کہا کرتے ہیں۔ وہ بے حد پریشان تھا۔ کاش اسے کوئی بتا سکتا کہ اس وقت سکھوں کو کون سا فقرہ زیادہ پسند آئے گا...... وہ تکیے سے نکل کر باغ کا رخ کر رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس کے دل کی دھڑکنیں کبھی تیز اور کبھی سست ہو رہی تھیں، اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کہے گا...... تاہم وہ بار بار یہ چاروں فقرے دہرا رہا تھا...... وہ چلتے چلتے رک جاتا اور اس کے دل کی دھڑکنیں یہ کہنے لگتیں۔ ’’مہر دین بھاگ جاؤ......‘‘ لیکن مہر دین ایک سلام کے عوض اپنے بیوی، بچوں اور ماں کی زندگی کا سودا کرنے جا رہا تھا۔ اس کی حالت اس شخص سے مختلف نہ تھی جو کسی اژدہا کے سامنے پھولوں کی بھینٹ لے کر جا رہا ہو...... اس کا احساس و شعور ان مدارج تک جا چکا تھا۔ جہاں بزدلی اور بہادری کے درمیان باریک سی حد فاصل غائب ہو جاتی ہے۔

ایک سوار کو باغ میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ سوار

نے گھوڑا روکا اور بلند آواز میں کہا۔ ''جتھیدار سورج ڈوبنے سے پہلے یہاں پہنچ جائے گا۔ وہ فوج کے ڈوگرہ سپاہیوں کو جیپوں پر لے کر آئے گا۔ اس نے کہا ہے کہ سڑک سے آگے اگر کوئی کھائی ہو تو اس میں مٹی ڈال کر موٹروں کے لیے راستہ بنادو!''

ایک سکھ نے سوال کیا۔ ''کتنے سپاہی آئیں گے؟''

سوار نے جواب دیا۔ ''مجھے معلوم نہیں لیکن جتھیدار نے مجھے تسلی دی ہے کہ وہ پانچ منٹ میں مسلمانوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دے گا!''

ایک سکھ نے کہا۔ ''تم نے سیٹھ رام چند کا پتہ کیا؟''

سوار نے جواب دیا۔ ''میں جاتے ہوے اس کے گھر سے ہو کر گیا تھا، وہ گھر سے دو نئی رائفلیں اور بارود کا ایک بکس لے کر اس طرف آیا ہے۔ ابھی تک یہاں نہیں پہنچا!''

سکھ حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سوار نے کہا۔ ''عجیب بات ہے، وہ یہاں سے خالی ہاتھ گھر گیا ہے اور پھر بارود اور دو رائفلیں لے کر گھوڑے پر واپس آیا ہے۔''

ایک سکھ نے کہا۔ ''اس کا لڑکا بھی غائب ہے۔ وہ دونوں کہیں بھاگ گئے ہیں!''

مہر دین درخت کی آڑ میں کھڑا اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا۔ ''ابھی لڑائی نہیں ہوئی۔ ابھی لڑائی کو روکا جا سکتا ہے۔ جب وہ آکر گاؤں کو آگ لگا دیں گے تو اسے بجھانا مشکل ہو جائے گا۔ ابھی سکھوں کو جوش نہیں آیا۔ ابھی شاید انہیں نے شراب نہیں پی۔ ابھی تک سیٹھ رام چند رائفلیں اور بارود لے کر نہیں آیا۔ ابھی منت و

سماجت سے کام لیا جا سکتا ہے۔'' وہ اچانک درخت کی آڑ سے نکل کر آگے بڑھا اور سہمی اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''واہگورو جی...... سردار جی کا خالصہ...... نہیں جی ...... اکال جی کی فتح...... جی نہیں، سردار جی سلام!''

اس کے جواب میں سکھ ''پکڑ لو، مار ڈالو'' کہتے ہوئے اٹھے اور مہر دین کانپتا ہوا الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا...... وہ چلا رہا تھا۔ ''میں بے قصور ہوں، میں نے کسی کو گالی نہیں دی۔ میں مزدور ہوں۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ مجھ پر رحم کرو۔ میں تو سلام کرنے آیا تھا!''

جب اسے سکھوں کی کرپانوں اور برچھیوں کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہی تو اس نے بھاگ کر جوہڑ میں چھلانگ لگا دی۔ سکھ کناروں پر کھڑے اسے گالیاں دے رہے تھے۔ اور وہ کمر کے برابر پانی میں کھڑا التجائیں کر رہا تھا۔ جتھے میں اس کے مزدور ساتھی بھی تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''کرتار سنگھ۔ منشا سنگھ، ہربنس سنگھ میں تمہر دین ہوں، میں تمہاری طرح ایک مزدور ہوں، میں تمہاری طرح غریب ہوں۔ جب کارخانے میں ہڑتال ہوئی تھی تو ہم ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ میرا ماموں فوت ہو گیا تھا، میں سیدھا وہاں سے آ رہا ہوں۔ تمہیں دیکھ کر میں سوچا کہ سلام کر آؤں۔ دیکھو یا گالیاں نہ دو۔ مائیں بہنیں سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں!''

''ارے یہ مہر دین۔'' بیلا سنگھ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

مہر دین کو تاریکی میں روشنی کی ایک جھلک دکھائی دی۔ وہ چلایا۔ ''ہاں سردار جی! انہیں سمجھاؤ۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں تمہارا پڑوسی ہوں!''

بیلا سنگھ نے کہا۔ ''باہر نکلو سور کے بچے!'' بیلا سنگھ نے مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھا کر زور سے اس کی طرف پھینکا۔ مہر دین چند قدم پیچھے ہٹ کر ذرا اور گہرے پانی میں چلا گیا۔ چند سکھ جوتے اتار کر جوہڑ میں کود پڑے..... مہر دین جوہڑ کے درمیان سینے کے برابر پانی میں کھڑا ہو کر چلا رہا تھا۔ ''بیلا سنگھ، جگت سنگھ! تم میرے پڑوسی ہو۔ میں چھٹی کے دن تمہارے ہل چلایا کرتا تھا..... مجھے بچاؤ۔ انہیں روکو۔ میری ماں بوڑھی ہے۔ میں سات بچوں کے لیے کما کر لاتا ہوں، وہ بھوکے مر جائیں گے۔ مجھے اپنی جوان لڑکیوں کی شادیاں کرنی ہیں۔ ان کی ماں بیمار رہتی ہے!''

جگت سنگھ نے جواب دیا۔ ''تمہاری ماں تمہارے باپ کے پاس چلی گئی ہے۔ تمہاری بیوی کو ہم نے دوسرے جہان پہنچا دیا ہے۔ اب تمہیں کسی کے لیے کما کر نہیں لانا پڑے گا..... ہم نے تمہاری لڑکیوں کی شادیاں بھی کر دی ہیں..... اب سیدھی طرح باہر آجاؤ!''

بھگت رام اور اس کا لڑکا رام لال بھی کنارے پر کھڑے تھے۔ رام لال کہہ رہا تھا۔ ''بدمعاش باہر نکلو! اس جوہڑ سے ہماری گائیں پانی پیتی ہیں۔ تمہاری لاش کون نکالے گا!''

مہر دین اب خاموش ہو چکا تھا۔ اس کی ذہنی کش مکش فقط ان سوالات تک محدود تھی۔ ''کیا یہ ممکن ہے؟..... کیا یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے میری بوڑھی ماں کو مار دیا ہو؟..... میری بیوی اور لڑکوں کو قتل کر دیا اور لڑکیوں کے ساتھ.....؟''

جوہڑ میں کودنے والے پانچ سکھ اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ان میں سے دو

اس کے ساتھ کام کرنے والے مزدور تھے۔ان کی کرپانیں اوران کے چہرے اس کے سوالات کا جواب دے رہے تھے۔اسے اب کوئی غلط فہمی نہ تھی...... اسے اب کسی کا خوف نہ تھا۔وہ آخر بار چلایا۔''آؤ مجھے مارڈالو۔میں موت سے نہیں ڈرتا!''

ایک سکھ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر کرپان ماری اور کنارے پر کھڑے تماشائیوں نے نعرہ لگایا۔''بولوست سری اکال۔''پانی میں ڈوبتی ابھرتی اور تڑپتی ہوئی لاشیں پر یکے بعد دیگرے پانچ سکھ اپنی کرپانوں کی تیزی آزمارہے تھے۔



چوہدری رمضان کو اپنے پڑوسی لچھمن سنگھ سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ تھا۔حملہ ہونے تھوڑی دیر پہلے اسماعیل اس کے گھر آکر کہہ گیا تھا کہ تم فوراً ہماری حویلی میں پہنچ جاؤ لیکن اس نے لچھمن سنگھ سے مشورہ کیا تو اس نے کہا۔''کس کی مجال ہے کہ ہمارے گاؤں کی طرف دیکھے۔پھر بھی اگر تمہیں ڈر ہے تو بھابی، بہو اور لڑکی کو میرے گھر پہنچادو...... جو ان کی طرف آئے گا، اسے پہلے میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا!''

رمضان کا بیٹا جلال گاؤں سے باہر مویشی چرانے گیا ہوا تھا۔رمضان اپنی بیوی بہو اور لڑکی کو لچھمن سنگھ کے گھر چھوڑ کر اس کی تلاش میں گاؤں سے باہر نکلا تو اسے سکھوں کا جتھا گاؤں کا رخ کرتا ہوا دکھائی دیا۔وہ الٹے پاؤں بھاگا اور لچھمن سنگھ کی حویلی میں داخل ہو کر چلایا۔''لچھمن سنگھ جتھا آگیا۔تمہیں معلوم ہے جلال مویشی لے کر کس طرف گیا ہے؟ تمہارا لڑکا اس کے ساتھ تھا۔بتاؤ لچھمن سنگھ، تمہیں پتا ہوگا!''

لچھمن سنگھ کی خاموشی پر رمضان نے کہا۔ ''لچھمن سنگھ میں نالے کی طرف جاتا ہوں، تم دوسری طرف جاؤ۔ بھابی سے کہو لڑکیوں کو اندر چھپا دے۔ جلدی کرو۔''

لچھمن سنگھ نے آگے بڑھ کر حویلی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ جتھا آگے جا رہا ہے۔ آؤ تم اندر بیٹھو!''

گولی چلنے کی آواز آئی اور رمضان چلایا۔ ''دیکھو انہوں نے حملہ کر دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی کھولنے کی کوشش کی لیکن لچھمن سنگھ نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور کھینچتا ہوا اندر لے گیا۔ رمضان کہہ رہا تھا۔ ''بھائی مجھے چھوڑ دو، میرا جلال باہر ہے۔ میں اسے لے آتا ہوں۔ دیکھو، گولیاں چل رہی ہیں۔ اگر وہ مارا گیا تو میری زندگی کس کام کی۔ بھائی اگر تمہیں میری جان کا خطرہ ہے تو خود جا کر جلال کو لے آؤ!''

لچھمن سنگھ نے اسے دالان کے دروازے کے قریب لے جا کر زور سے اندر کی طرف سے دھکا دیا۔ رمضان کے پاؤں کو دہلیز کی ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل اندر جا گرا اندر کرپانوں سے مسلح پانچ سکھ شراب پی رہے تھے اور رمضان کی بیوی اور بیٹی ایک دیوار کے ساتھ کھڑی خوف سے کانپ رہی تھیں۔ رمضان کی بہو ایک سال کے بچے کو سینے سے چمٹائے رو رہی تھی۔ تاہم رمضان ابھی تک خوش فہمی میں مبتلا تھا، اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''لچھمن سنگھ تمہارا دل بڑا سخت ہے۔ اگر جلال کی طرح تمہارا بیٹا باہر ہوتا اور کوئی تمہیں باہر جانے سے روکتا تو شاید تم اس سے لڑ پڑتے۔ بھائی مجھے جانے دو، خدا کے لیے!''

گاؤں کے ایک سکھ نے کہا۔ ''چودھری ادھر آ! تیری یہاں ضرورت ہے۔''

رمضان نے کہا۔ ''تم سب یہاں کیا کر رہے ہو، گاؤں پر حملہ ہو چکا ہے سنو! رحمت علی کی حویلی کی طرف گولیاں چل رہی ہیں۔ جاؤ، انہیں روکو۔ آج تک باہر کے کسی بدمعاش کو اس گاؤں میں دم مارنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ آج تمہاری بہو بیٹیاں بدمعاشوں کی گالیاں سن رہی ہیں اور تم یہاں بیٹھ کر شراب پی رہے ہو۔ ایسے موقعوں پر مرد گھروں میں پہنچ بیٹھا کرتے۔ یہ گاؤں کی عزت کا سوال ہے۔ کچھمن سنگھ انہیں نکالو!''

ایک سکھ نے آگے بڑھ کر رمضان کی داڑھی پکڑ لی اور دوسرے قہقہے لگانے لگے۔

کچھمن سنگھ نے کہا۔ ''بھئی جو کچھ کرنا ہے، جلدی کرو!''

ایک سکھ نے کہا۔ ''کیوں بھئی تیرا جھٹکا کریں یا تجھے ذبح کریں؟''

رمضان کی بیوی چلائی۔ ''اسے چھوڑ دو، اسے چھوڑ دو۔ خدا کے لیے کچھمن سنگھ تم نے اسے بھائی بنایا تھا!''

دوسرے سکھ نے کہا۔ ''مارو اس بڑھیا کو!''

رمضان نے کہا۔ ''دیکھو بھئی بوڑھے آدمی سے ایسا مذاق اچھا نہیں ہوتا!''

ایک سکھ نے کرپان بلند کرتے ہوئے۔ ''تجھ سے مذاق کرنے والے کی ایسی تیسی!'' لیکن کچھمن سنگھ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ''بھئی یہاں نہیں۔ اسے باہر لے جاؤ۔

رمضان کی بیوی چیختی چلاتی آگے بڑھی لیکن چھمن سنگھ نے اسے زور سے دھکا دیا اور وہ چند قدم دور جا گری۔ تین سکھ رمضان کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے حویلی کے صحن میں لے گئے اور دو وہیں رہے۔ رمضان کی بیوی نے آگے بڑھ کر چھمن سنگھ کی بیوی کا بازو پکڑلیا۔ ''چچی! تم نے مجھے بیٹی بنایا تھا۔ میرے ابا کو بچاؤ۔'' رمضان کی بہو نے کہا۔ ''ماسی ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو معاف کر دو۔ تم کہا کرتی تھیں کہ علم دین تمہارا پوتا ہے۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو تم نے گڑ بانٹا تھا۔ ہمیں بچاؤ ماسی!''

چھمن سنگھ کی بیوی پھر بھی ایک عورت تھی، اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ ''میری کون سنتا ہے۔ اب تم دونوں امرت چکھ لو۔ بھابی تم بھی امرت چکھ لو!''

لڑکیاں سہم کر پھر دیوار سے لگ گئیں۔

ایک سکھ نے کہا۔ ''تم فکر نہ کرو، ہم انہیں امرت چکھالیں گے!''

باہر حویلی کے صحن میں رمضان فریاد کر رہا تھا۔ ''چھمن سنگھ میں نے کیا کیا ہے۔ تمہاری آنکھیں کیوں بدل گئیں۔ میں وہی رمضان ہوں۔ تم میری ہر بات پر ہنسا کرتے تھے۔ چھمن سنگھ یاد ہے، جب میں بیمار ہو گیا تھا تو تم کہتے تھے اگر رمضان مر گیا تو گاؤں سونا ہو جائے گا۔ آج معلوم ہوتا ہے کہ تم سچ مچ مار ڈالو گے۔ خدا کے لیے بتاؤ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ اگر تمہیں اب میرا گاؤں میں رہنا پسند نہیں تو میں کہیں چلا جاتا ہوں۔ میرے بیل لے لو، میری بھینسیں لے لو۔ ساون! صوبہ سنگھ! میں نے تمہارا بھی کچھ نہیں بگاڑا............ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ تمہیں میری

ہر بات پر ہنسی آیا کرتی تھی۔آج کیوں نہیں ہنستے تم، آج تمہیں کیا ہو گیا؟ میرے بچوں کو چھوڑ دو، ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ لچھمن سنگھ! بھائی لچھمن سنگھ! نہیں! نہیں! نہیں! خدا کے لیے......"

ایک سکھ نے کرپان ماری اور رمضان کا سر دھڑ سے علیحدہ ہو گیا۔ رمضان کی لڑکی چیخیں مارتی ہوئی باہر نکلی۔ ایک سکھ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس کی بیوی اور بہو بھی باہر نکلنے کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں لیکن وہ سکھوں نے ان کا راستہ روک رکھا تھا۔ کسی نے باہر سے حویلی کے دروازے کو دھکا دیتے ہوئے آواز دی۔ "باپو دروازہ کھولو!"

لچھمن سنگھ نے آگے بڑھ کر کنڈی کھولی اور اس کا لڑکا ہانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے کہا۔ "باپو جلال مجھ سے بچ کر بھاگ آیا ہے۔ اس نے میری کرپان چھین لی ہے!"

سکھوں نے اس پر قہقہہ لگایا۔ لچھمن سنگھ نے برہم ہو کر کہا۔ "جلال نے تمہاری کرپان چھین لی ہے۔ بے حیا کہیں ڈوب مرو!"

لڑکے نے کہا۔ "باپو میں نے وار کیا تو اس نے نالے میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے اس کا پیچھا کیا تو میرے کیس کھل گئے اور وہ کرپان چھین کر بھاگ گیا!"

ایک سکھ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب تک وہ پاکستان پہنچ چکا ہو گا!"

"نہیں، وہ اسی طرف آیا ہے۔ شاید اپنے گھر میں چھپا ہوا ہو...... میں دیکھتا ہوں!"

کچھمن سنگھ نے کہا۔ ''بھگت سنگھ اس کے ساتھ جاؤ!''

''میں بھی اس کے ساتھ جاتا ہوں'' ایک اور سکھ نے کہا۔

کچھمن سنگھ کے لڑکے کے ساتھ دو سکھ دیوار پھاند کر رمضان کے گھر میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آ گئے۔

کچھمن سنگھ نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں نہیں آئے گا۔ اب تم لوگ میرے ساتھ فیصلہ کرو۔''

ایک سکھ نے کہا۔ ''ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جلال کی بیوی کے لیے ہم تمہیں دو سو اور بہن کے لیے تین سو دیتے ہیں اور اس بڑھیا کے لیے ساون سنگھ سے پندرہ بیس روپے لے لو!''

کچھمن سنگھ نے کہا۔ ''بس اب جلدی سے پیسے نکالو، ورنہ جتھے والے آ گئے تو نیلامی میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی اور میرے ہاتھ بھی کچھ نہیں آئے گا!''

کچھمن سنگھ کے لڑکے نے کہا۔ ''باپو! جلال کی بہن کو میں اپنے پاس رکھوں گا!''

جلال اپنے مکان اور کچھمن سنگھ کی حویلی کی درمیانی دیوار کے ساتھ شیشم کے گھنے درخت کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ کرپان تھی جو اس نے کچھمن سنگھ کے لڑکے سے چھینی تھی۔ اپنے باپ کی لاش دیکھنے اور سکھوں کی باتیں سننے کے بعد کئی بار اس کے دل میں آئی کہ وہ درخت سے حویلی میں چھلانگ لگا کر ان پر جھپٹ پڑے لیکن ہر بار اس کی ہمت جواب دے جاتی۔

کچھمن سنگھ کو اپنے پڑوسی کے گھر کی آبرو کی قیمت مل چکی تھی اور وہ اطمینان سے

نوٹ گن رہا تھا۔

صحن کے ایک سکھ نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ ''بھئی تم اندر کیا کر رہے ہو، انہیں لے آؤ۔ جلدی کرو!''

رمضان کی بیوی باہر نکلتے ہی بھاگ کر اپنے شوہر کی لاش پر گر پڑی۔ ایک سکھ نے جلال کی بیوی کے ہاتھوں سے اس کا بچہ چھین کر ہوا میں اچھالا اور دوسرے نے اس کی زمین تک پہنچنے سے پہلے کرپان ماری اور اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی۔ اس کی ماں چیختی چلاتی آگے بڑھی تو ایک سکھ نے اس کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا۔ لڑکے کے دوبارہ ہوا میں اچھالا گیا اور اس مرتبہ اسے کرپانوں کی نوک پر روکنے کی مشق کی گئی۔

جلال چیخیں مارتا ہوا درخت سے کودا اور ایک زخمی درندے کی طرح سکھوں پر جھپٹ پڑا، اس کا پہلا وار اس سکھ پر تھا جس نے اس کی بیوی کو بالوں سے پکڑ رکھا تھا۔ دوسرے وار میں وہ ساون کو جو اس کی ماں کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا، موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس کی ماں کو بازو سے کپڑ کر گھسیٹ رہا تھا موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس کی بیوی نے گرے ہوئے سکھ کی کرپان اٹھا لی اور چھمن سنگھ پر حملہ کر دیا۔ چھمن سنگھ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ ایک کھونٹے کے ساتھ اس کا پاؤں ٹکرایا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ جلال کی بیوی کی کرپان اس کی ٹانگ پر لگی۔ وہ دوسرا وار کرنا چاہتی تھی کہ ایک سکھ نے پیچھے سے اس کی سر پر کرپان ماری اور اس کی کھوپڑی دو ٹکڑے ہو گئی۔ اتنی دیر میں جلال ایک سکھ کو گرا چکا تھا اور باقی اس کے پے در پے حملوں سے بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ چھمن سنگھ کا لڑکا دبے پاؤں

آگے بڑھا اور اس نے جلال کے عقب میں پہنچ کر پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اس کے کرپان جلال کے کندھے پر لگی اور چھ انچ نیچے اتر گئی۔ وہ گرا اور سکھ اس پر پل پڑے۔ اس کے جسم کا ایک عضو کئی حصوں میں کاٹا جا رہا تھا۔ اس کی بہن جو ابھی تک دیوار کے ساتھ کھڑی کانپ رہی تھی۔ اچانک ایک گرے ہوئے سکھ کی کرپان اٹھا کر آگے بڑھی سکھ بے خبری کی حالت میں جلال کی لاش پر اپنا غصہ نکال رہے تھے۔ کچھمن سنگھ چلایا۔ ''پیچھے دیکھو!.......... بچو!'' اس کا لڑکا گھبرا کر پیچھے مڑا لیکن پیشتر اس کے کہ اس کے ہاتھ مدافعت کے لیے اٹھتے، لڑکی کی کرپان اس کا ایک بازو کاٹ چکی تھی۔ لڑکی نے دوسرا وار کرنے کی کوشش کی لیکن ایک سکھ نے اسے بازو سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ وہ اس کا لباس نوچ رہے تھے، اسے درندوں کی طرح دانتوں سے کاٹ رہے تھے اور اس کی ماں اسے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کچھمن سنگھ اٹھ کر لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کرپان مار کر جلال کی ماں کی گردن کاٹ دی۔

جلال کی بہن بے ہوش ہو چکی تھی۔ ایک سکھ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔

''چلو کرتار سنگھ، اب اسے لے چلیں۔ یہ ہمیں بہت مہنگی پڑی ہے۔''



حملہ آوروں کے پسپا ہونے کے بعد سلیم کے گھر میں ایک عارضی سکوت طاری ہو گیا۔ جو لڑائی کے ہنگامے سے کہیں زیادہ بھیانک اور کرب انگیز تھا۔ عورتیں اور بچے دالان سے باہر آکر پتھرائی ہوئی نگاہوں سے شہیدوں کی لاشیں دیکھ رہے

تھے۔ان کے سینوں میں محشر کے ہنگامے تھے۔لیکن زبانیں گنگ تھیں۔کسی کو بولنے کی جرأت نہ تھی۔کسی میں آواز نکالنے کی ہمت نہ تھی۔ان کے چہروں پر ایک ایسی فریاد تھی جسے دیکھا جا سکتا تھا،سنا نہیں جا سکتا۔کانپتے اور لرزتے ہوئے ہاتھ زخمیوں کو پٹیاں باندھ رہے تھے۔مردوں میں کسی کو یہ سوال کرنے کا حوصلہ نہ تھا کہ اب کیا ہوگا۔سب کے سب یہ محسوس کرتے تھے کہ سیلاب کی دوسری لہر پہلی لہر سے کہیں زیادہ تند و تیز ہوگی۔سب کے سامنے موت زندگی سے زیادہ قریب تھی۔

مجید نے دشمن سے چھینا ہوا اسلحہ چند آدمیوں کو دے دیا۔سلیم بشیر کو ساتھ لے کر کھیت کی طرف بھاگا اور وہاں چھپائی ہوئی رائفلیں اور بارود اٹھا لایا۔فجو پہلوان کی فرض شناسی کی بدولت اسے شیشم کے درخت کے قریب سیٹھ رام چند کی دو فالتو رائفلیں بھی مل گئیں۔

سلیم اور مجید کے علاوہ صرف تین آدمی ایسے تھے جو بندوقیں چلانا جانتے تھے اور وہ باقی آدمیوں کو آنے والی جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے۔

سلیم ایک نوجوان کو سمجھا رہا تھا۔"دیکھو بندوق کو یوں رکھو،بولٹ کو اس طرح کھینچو،گولیاں اس طرح ڈالو۔گھوڑے کو یوں دباؤ۔نشانہ اس طرح باندھو دیکھو تمہارا ہاتھ ہلتا ہے،بندوق کو کندھے کے ساتھ دبا کر رکھو!"

سلیم کی ماں نے آگے بڑھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور سہمی ہوئی آواز میں کہا۔"سلیم!یوسف کا کچھ پتہ نہیں چلتا!"

ماں کے چہرے کا حزن و ملال سلیم کی قوت برداشت سے باہر تھا،وہ بولا:"

یوسف گھر میں نہیں کیا؟''

ماں بولی۔ ''یوسف حملے سے کچھ دیر پہلے باہر نکل گیا تھا لیکن واپس نہیں آیا۔''

''اچھی خدا سے دعا کیجیے!'' یہ کہتے ہوئے سلیم پھر اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''تم کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھے میگزین میں گولیاں ڈال کر دکھاؤ!''

ماں چند منٹ کے لیے سلیم کی طرف دیکھتی رہی لیکن اس نے دوبارہ اسکی طرف توجہ نہ کی۔ وہ اب دوسرے آدمی کو ہدایات دے رہا تھا۔ پیاس سے اس ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ ماں چپکے سے آنسو پونچھتی ہوئی اندر کی حویلی کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی تو اس کے ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا جگ اور دوسرے ہاتھ میں گلاس تھا...... ''لو بیٹا! تمہیں پیاس لگی ہوئی ہے۔'' اس نے گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ سلیم نے چپکے سے گلاس منہ سے لگا لیا۔ اس کے بعد سلیم کی ماں نے مجید کو پانی پلایا اور وہ دونوں پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ ماں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس میں بولنے کی ہمت نہ تھی۔ سلیم کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے بھائی کے لیے کم پریشان نہیں۔ اچانک وہ ماں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''امی! آپ جایئے! اگر خدا کو اس کی زندگی منظور ہے تو کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکے گا!''

ماں انتہائی مایوسی کی حالت میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ڈیوڑھی کے قریب پہنچی تھی کہ مجید نے بلند آواز میں کہا۔ ''چچی جان یوسف آ گیا!''

ماں نے مڑ کر دیکھا۔ یوسف حویلی کے ایک کونے سے دیوار پھاند کر اندر آ چکا

تھا۔اس کے ساتھ کاکو عیسائی تھا۔ماں رک کر یوسف کا انتظار کرنے لگی لیکن وہ اس کی طرف آنے کی بجائے بھاگتا ہوا سلیم کے قریب پہنچا۔اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور اس کا قمیص پسینے سے تر تھا۔ماں چند قدم اور آگے بڑھی لیکن یوسف نے اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے زمین پر پڑی ہوئی ایک بندوق اٹھالی۔سلیم نے سوال کیا۔"تم کہاں تھے؟"

یوسف نے جواب دینے کی بجائے مڑ کر کاکو کی طرف دیکھا اور اس نے آگے بڑھ کر کہا۔"جب آپ کی حویلی پر جتھے نے حملہ کیا تھا۔تو یوسف بابا علی محمد کے باغ میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔میں وہاں گھاس کاٹ رہا تھا۔اس نے بندوقوں کی آواز سنتے ہی گاؤں کی طرف بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے روک لیا۔ہم کھیتوں میں چھپتے ہوئے گاؤں کے قریب پہنچے تو لڑائی ہو رہی تھی اور حویلی تک پہنچنے کے تمام راستے بند تھے لیکن اس کے باوجود یوسف یہاں پہنچنا چاہتا تھا۔میں نے اسے روکا اور کہا کہ چلو پولیس کی اطلاع دیں۔ہم شہر کی طرف بھاگے لیکن وہاں فوج اور پولیس کے سکھ سپاہی مسلمانوں کو گولیاں مار رہے تھے یہ دیکھ کر ہم الٹے پاؤں واپس ہو گئے۔راستے میں سکھوں کی ٹولیاں تھیں،اس لیے ہمیں فصلوں میں سے چکر کاٹ کر آنا پڑا۔ہم بیلا سنگھ کے باغ کے قریب گنوں کے کھیت میں چھپ کر ان کی باتیں سن آئے تھے۔شام تک ان کی مدد کے لیے اور جتھے پہنچ جائیں گے اور وہ دوبارہ حملہ کریں گے.........."

سلیم نے مجید کی طرف دیکھا اور کہا۔"مجید!اگر ہم انہیں بھگا دیں تو ممکن ہے کہ

ہمیں کچھ وقت اور مل جائے۔''

مجید نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔''تم پانچ آدمیوں کے ساتھ یہاں رہو۔ میں باقی آدمیوں کو لے کر جاتا ہوں۔ پھاٹک کو بند رکھنے کے لیے چند مضبوط کھونٹے اکھڑوا کر دروازوں کے آگے گاڑ دو۔



پانچ بج چکے تھے اور گاؤں سے باہر باغ میں جمع ہونے والے سکھ بے تابی سے شہر سے آنے والی کمک کا انتظار کر رہے تھے۔ جب چھ بج گئے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔''اب کیا کیا جائے؟''

ایک گروہ کا لیڈر کہہ رہا تھا کہ''ہمیں شہر کا رخ کرنا چاہیے۔ اگر جتھیدار راستے میں مل گیا تو ہم اس کے ساتھ واپس آ جائیں گے۔ ورنہ اسے شہر سے ساتھ لے کر آئیں گے ممکن ہے کہ باونڈری فورس کے مسلمان سپاہیوں کی ٹولی اس علاقے میں پہنچ گئی ہو اور جتھے دار آج رات اس گاؤں پر چڑھائی نہ کر سکے۔''

دوسرے گروہ کے لیڈر نے اٹھ کر کہا۔''ایسی صورت میں ہمارا شہر کی طرف رخ کرنا اور بھی خطرناک ہے۔ میرے خیال میں ہمیں گاؤں کے گرد گھیرا ڈال لینا چاہیے تاکہ رات کے وقت یہ لوگ بھاگنے کی کوشش نہ کریں اور جتھیدار کے پاس ایک اور آدمی بھیج دینا چاہیے!''

ایک اور سکھ نے اٹھ کر کہا۔''انہوں نے ہم سے کچھ بندوقیں چھین لی ہیں۔ مجھے

ڈر ہے کہ اگر وہ یہ بندوقیں لے کر باہر نکل آئے تو ہم ان کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ اس کے علاوہ اگر ہم یہیں بیٹھے رہے تو ممکن ہے ارد گرد کے مسلمان جمع ہو کر ہمارے کسی گاؤں پر حملہ کر دیں۔ بھئی ہم جاتے ہیں۔ جب جتھیدار فوج لے کر آ جائے گا تو ہم بھی پہنچ جائیں گے!''

سلیم کے گاؤں کا ایک سکھ اٹھ کر بولا۔ ''سردار جی! مسلمانوں میں یہ جرأت کہاں کہ وہ آپ کے گاؤں پر حملہ کریں۔ اب اگر آپ یہاں سے چلے گئے تو ہمارے گاؤں کے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ جائیں گے۔ وہ راتوں رات ارد گرد کے تمام کام مسلمانوں کو یہاں جمع کر لیں گے!''

دوسرے گاؤں کے لیڈر نے جواب دیا۔ ''بھئی تمہیں اپنا خطرہ ہے، تم چاہتے ہو کہ ہم یہاں بیٹھ کر تمہارے گھروں کی حفاظت کریں اور اپنے گھر دوسروں کے لیے چھوڑ دیں۔ تم نے ہمیں دھوکا دیا۔ تم کہتے تھے کہ یہ لوگ مقابلہ نہیں کریں گے۔ تم کہتے تھے کہ اگر تمہیں صرف پچاس آدمی اور چار بندوقیں مل جائیں تو تم انہیں دس منٹ میں ختم کر دو گے۔ ہم نے تمہارے لیے سارے سکھوں کو جمع کیا لیکن جب لڑائی شروع ہوئی تو تم نے ہمیں آگے کر دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ تم نے باہر کے آدمی مروائے اور اپنے جسم پر خراش تک نہیں آنے دی۔''

اس پر سلیم کے گاؤں کے ایک نوجوان سکھ کو طیش آ گیا اور اس نے اٹھ کر کہا۔ ''اچھا سردار جی! یہ بات ہے؟ اب تم ہمیں بزدلی کا طعنہ دیتے ہو۔ ہم نے تو پہلے ہی ہاتھ جوڑ کر تمہیں کہہ دیا تھا کہ ہمارے گاؤں کو اپنے حال پر چھوڑ دو گلاب سنگھ نے بھی

تمہیں سمجھایا تھا لیکن تم نے اسے مار ڈالا، اب ہمیں بزدلی کا طعنہ دیتے ہو۔ حالانکہ تم خود بزدل ہو اور بھاگتے وقت اپنی بندوقیں بھی وہیں چھوڑ آئے ہو!''

دوسرے دیہات کے سکھوں کو جوش آ گیا اور گالی گلوچ کے بعد ہاتھ پائی تک نوبت پہنچ گئی۔

ایک سکھ گھوڑا بھگاتا ہوا آیا اور اسے دیکھ کر سکھوں کا جوش وخروش تھوڑی دیر کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا۔ سوار نے کہا۔ ''جتھیدار صاحب کہتے ہیں کہ وہ کل صبح فوج کے پچاس آدمی لے کر پہنچیں گے۔ آج رات وہ دوسرے گاؤں پر حملہ کر رہے ہیں!''

ایک سکھ نے سوال کیا۔ ''انہوں نے بندوقیں کیوں نہیں بھیجیں؟''

سوار نے جواب دیا۔ ''میں نے رائفلیں مانگی تھیں تو مجھے گولی مارنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ تمہیں ہتھیار بھی دوں اور پھر ان کی حفاظت کے لیے سپاہی بھی دوں۔ انہوں نے دستی بم دیے ہیں اور کہا ہے کہ اگر تم بنیوں کی اولاد نہیں ہو تو یہ بم ان کے گھروں کو مٹی کا ڈھیر بنانے کے لیے کافی ہیں۔ رات کے وقت تمہیں یہ بم پھینکنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اگر تم میں ہمت نہیں تو عیسائیوں کو مجبور کرو، وہ آسانی سے ان کی حویلی کے قریب جا کر یہ بم پھینک سکیں گے!''

ایک سکھ نے کہا۔ ''عیسائیوں سے اس گاؤں کے آدمی کام لے سکتے ہیں!''

گاؤں کے ایک سکھ نے جواب دیا۔ ''وہ مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔''

''انہیں مجبور کیا جا سکتا ہے۔'' دوسرے نے جواب دیا۔

''لیکن وہ بم چلانا بھی تو نہیں جانتے۔''

''ہم انہیں سکھادیں گے!'' فوج کے ایک تربیت یافتہ سکھ نے کہا۔''لاؤ جی بم مجھے دو!''

سوار اپنے گلے سے بموں سے بھرا ہوا تھیلا اتار رہا تھا کہ ساتھ والے چری کے کھیت سے بندوقوں کی گولیاں برسنے لگیں۔سکھ سراسیمگی کی حالت میں چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔پہلی گولی جتھیدار کے ایلچی کو لگی۔اس کے گھوڑے نے حواس ہو کر ایک طرف چھلانگ لگائی اور وہ گر پڑا۔آن کی آن میں میدان خالی ہو گیا۔مجید بھاگتا ہوا کھیت سے نکلا اور اس نے بموں سے بھرا ہوا تھیلا اٹھالیا۔اس کے ساتھی بھی کھیت سے نکل آئے اور ادھر ادھر بھاگنے والوں پر گولیاں برسانے لگے۔

میدان بالکل صاف ہو گیا تو بشیر نے کہا۔''مجید!خدا کی قسم میرا ایک نشانہ بھی خالی نہیں گیا!''

یوسف بولا۔''بھائی جان!دیکھا،آپ کہتے تھے کہ میں رائفل نہیں چلا سکوں گا۔اس موٹے سکھ کو میں نے گرا دیا ہے۔''

مجید کے والد کا اسی سالہ چچا علی محمد بولا۔''کاش یہ بندوقیں ہمیں حملہ ہونے سے پہلے ملتیں!''

مجید نے کہا۔''بابا!تقدیر نے ہمارے لیے یا تو فتح لکھی ہے یا عزت کی موت۔اب وہ ہمیں چوہوں کی طرح نہیں مار سکیں گے۔یہ دیکھو!بموں سے بھرا ہوا تھیلا۔یہ قدرت کا انعام ہے!''

جتھے کی یہ حالت دیکھ کر گاؤں کے ساتھ اور ہندو بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ چند آدمیوں نے انہیں گھیرنے کی کوشش کی لیکن مجید نے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر روک دیا۔



مجید اور اس کے ساتھی ''اللہ اکبر'' کے نعرے لگاتے ہوئے حویلی کی طرف واپس جا رہے تھے اور حویلی میں جمع ہونے والے لوگ بھی ان کے جواب میں نعرے لگا رہے تھے۔ اچانک آس پاس کے کھیتوں سے بھی ان نعروں کا جواب آنے لگا۔

مجید نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''تم فوراً حویلی کے اندر داخل ہو جاؤ ممکن ہے کہ سکھ ہمیں دھوکہ دے کر حملہ کرنا چاہتے ہوں!''

تھوڑی دیر میں حویلی کے اندر جمع ہونے والے تمام آدمی مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور دم بخود ہو کر کھیتوں کی طرف دیکھنے لگے۔ نعروں کی آواز آہستہ آہستہ قریب آنے لگی اور اس کے ساتھ ہی کماد کے کھیتوں میں سرسراہٹ سنائی دینے لگی۔

''کون ہے؟'' مجید نے ایک آدمی کو کھیت سے نکلتے ہوئے دیکھ کر بلند آواز میں سوال کیا۔

''مجید، میں ہوں!'' آنے والے نے جواب دیا۔

''کون؟ داؤد؟''

''ہاں، میں ہوں!'' اس نے کرب انگیز لہجے میں جواب دیا۔

Khaak-o-Khoon



خاک وخون

مصنف

نسیم حجازی

جلد دوم

تیسرا حصہ

سرخ لکیر

نیا دریا

سلیم دوپہر کے وقت بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ یوسف بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور چلایا ''بھائی جان! بھائی جان!! امی آرہی ہیں۔''

پیشتر اس کے کہ سلیم اس سے کوئی سوال پوچھتا، یوسف اسی رفتار کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا اور صحن میں داخل ہو کر شور مچانے لگا '' آپا صغریٰ! آپا زبیدہ! چچی جان! امی آرہی ہیں۔''

سلیم اپنے دل میں لطیف اور خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ امی کا اس سے زیادہ گھر میں کسی کو انتظار نہ تھا۔ زبیدہ اور اس کی چچا زاد بہنیں شور مچاتی ہوئی بیٹھک میں داخل ہوئیں۔

زبیدہ نے کہا ''بھائی جان! امی جان آرہی ہیں''

صغریٰ بولی ''بھائی جان مبارک ہو!''

باقی لڑکیاں شور مچانے لگیں ''بھائی جان مبارک، بھائی جان مبارک''

افضل کی بیوی نے اندر داخل ہو کر کہا ''کیا شور مچا رکھا ہے تم نے؟''

صغریٰ بولی ''امی جان، چچی جان آرہی ہیں!''

ایک لڑکی نے ڈیوڑھی سے حویلی میں جھانکتے ہوئے کہا ''چچی جان آ گئیں۔''

چچی جان سلام!

گھر کی عورتوں اور لڑکیوں نے ڈیوڑھی میں سلیم کی ماں کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

اب سلیم بظاہر انتہائی انہماک کے ساتھ کتاب دیکھ رہا تھا لیکن اس کی تمام تر توجہ ڈیوڑھی کی طرف تھی۔ عورتیں سلیم کی ماں کو مبارکباد دے رہی تھیں۔

افضل کی بیوی کہہ رہی تھی ''بہن اندر چلو! یہاں گرمی ہے اری راستہ چھوڑو۔ صغریٰ اپنی چچی کے لیے شربت بناؤ۔''

ماں نے سلیم کو دیکھا اور بیٹھک میں آ گئی۔ سلیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے کان اور گال سرخ ہو رہے تھے۔

اب ماں اور بیٹے کو زیادہ جوش و خروش سے مبارکباد پیش کی جا رہی تھی۔ سلیم کی ماں ایک کرسی پر بیٹھ گئی لیکن سلیم تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ ماں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ہنسنے لگی۔ سب ہنسنے لگیں اور سلیم کے کان اور گال اور زیادہ سرخ ہو گئے۔ اچانک سلیم باہر نکلنے کے ارادے سے دروازے کی طرف بڑھا لیکن ماں نے کہا ''بیٹا ٹھہرو! اور چچی نے ہنستے ہوئے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا۔''

زبیدہ بولی ''امی جان! بابا جی اور دادی اماں نہیں آئے؟''

ماں نے جواب دیا ''وہ پیچھے آرہے ہیں''

یوسف بولا ''دادی جان راستے میں بابا نور محمد کے گھر چلی گئی ہیں اور دادا جان مسجد میں چلے گئے ہیں۔''

افضل کی بیوی نے پوچھا ''بہن یہ تو بتاؤ، سلیم کی دادی کو لڑکی پسند آئی یا نہیں؟''

''سلیم کی دادی کا کچھ نہ پوچھو بہن اس نے تو لڑکی کو دیکھتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ میں اسے اسی ہفتے بیاہ کر لے جاؤں گی۔ دو دن انہوں نے ایک منٹ کے لیے بھی سے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ وہ جس کمرے میں جاتی ہے، یہ اس کے پیچھے ہیں وہ سو رہی ہیں تو یہ پنکھا جھل رہی ہیں۔ وہ کھانا کھا رہی ہے تو اس کے پاس بیٹھی کہہ رہی ہیں ''بیٹی! تم نے کچھ کھایا ہی نہیں۔'' کبھی اس کی ماں سے کہتیں تم اسے دودھ زیادہ پلایا کرو'' ایک دفعہ عصمت سے کہنے لگیں ''بیٹی! مجھے کتاب پڑھ کر سناؤ تمھاری آواز بہت پیاری ہے۔ کل رات اس کی چھوٹی بہن نے شرارت کی اور ان کے کان میں کہہ دیا کہ عصمت کے سر میں درد ہے، پھر تو سلیم کی دادی نے وہ تماشا کیا کہ خدا کی پناہ۔ لڑکی کہہ رہی تھی کہ میں بالکل ٹھیک ہوں، میرے سر میں درد نہیں ہے گھر والے بھی ہنس رہے تھے لیکن انہوں نے کسی کی نہ سنی اور جب تک اس کے سر پر بادام راغن کی مالش نہیں کر لی چین نہیں آیا۔''

چچی نے کہا ''اس کی ماں تو بہت خوش ہوتی ہوگی؟''

''وہ خوش بھی تھی اور پریشان بھی یہ کہتی تھیں کہ دو ہفتے کے اندر اندر شادی کی تاریخ مقرر کر دو اور وہ پریشان تھے کہ شادی بیاہ کے کام اتنی جلدی کیسے ہو سکتے

ہیں۔''

افضل کی بیوی نے کہا ''اب کیا فیصلہ ہوا ہے؟''

''وہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا فیصلہ ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب سلیم کے ابا سے مل کر کوئی تاریخ مقرر کر دیں گے۔''

افضل کی بیوی نے مسکرا کر سلیم کی طرف دیکھا اور کہا ''بہن! سلیم کہا کرتا تھا کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی رضامندی کے بغیر ان کی شادی کر دینا ظلم ہے۔ اس سے بھی پوچھ لو نا!''

سلیم کی ماں نے کہا ''میں نے راستے میں اس کی دادی کو چھیڑا تھا، توبہ! وہ تو میرے بال نوچنے کے لیے تیار ہو گئیں میں نے کہا'' اماں! مجھے ڈر ہے کہ کہیں سلیم انکار نہ کر دے سنا ہے لاہور میں اسے کوئی میم پسند آ گئی ہے میری بات سن کر سلیم کی دادی آگ بگولا ہو گئیں اور کہنے لگیں ''میں جوتے مار مار کر اس کا سر گنجا کر دوں گی'' میں نے کہا'' امینہ کی بھی یہی خواہش ہے کہ سلیم کی شادی کسی میم کے ساتھ ہو'' وہ کہنے لگیں ''گھر پہنچتے ہی میں امینہ کو خط لکھواؤں گی کہ وہ یہاں نہ آئے!''

غلام حیدر کی بیوی نے کہا ''ابھی وہ آتی ہیں تو ہم سب کہیں گی کہ سلیم نہیں مانتا، پھر تماشا دیکھنا لیکن تم ہنس پڑیں تو وہ سمجھ جائیں گی اور سلیم تم بھی تھوڑی دیر چپ رہنا آؤ بہن! ہم دالان میں بیٹھتی ہیں۔''

جب سلیم کی دادی گھر میں داخل ہوئی تو گھر کی عورتیں اور لڑکیاں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ ان نے دالان میں پاؤں رکھتے ہی کہا ''بیٹی! نائن کو بلاؤ

اور گاؤں کے ہر گھر میں گڑ کی ایک بھیلی بھیج دو۔ سعیدہ بیٹی! تم اٹھو، یہ تھک گئی ہے!''

''منگنی کر آئیں ماں جی؟'' سعیدہ (غلام حیدر کی بیوی) نے سوال کیا۔

دادی اس سوال پر حیران ہو کر سلیم کی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ سلیم کی ماں نے اپنا چہرہ سنجیدہ سا بنا لیا۔ دادی نے باقی عورتوں اور لڑکیوں کی طرف دیکھا اور پریشان سی ہو کر رہ گئی، پھر قدرے برہم ہو کر بولی ''سلیم کی ماں نے تمہیں بتایا نہیں؟''

افضل کی بیوی نے دادی کو شربت کا گلاس پیش کرتے ہوئے کہا ''ماں جی! بات یہ ہے کہ سلیم نہیں مانتا''

دادی نے شربت کا گلاس پھینک دیا اور چلائی ''ہے ہے تیری زبان میں کیڑے پڑیں۔''

صغریٰ ہنسی ضبط کرتے ہوئے آگے بڑھی ''دادی جان! بھائی سلیم کہتا ہے کہ میں تو لاہور سے کوئی میم بیاہ کر لاؤں گا!''

دادی ایک لمحہ کے لیے خاموش رہی پھر اچانک اٹھ کر بولی ''کہاں ہے وہ بے ایمان؟''

افضل کی بیوی نے کہا ''ماں جی! اسے اطمینان کے ساتھ سمجھانا ایسے موقعوں پر غصہ ٹھیک نہیں ہوتا!''

''ہونہہ غصہ ٹھیک نہیں میں جوتوں سے اس کا سر گنجا کر دوں گی اس نے دسویں جماعت پاس کی تھی تو میں نے کہا تھا کہ اس بے ایمان کی شادی کر دو لیکن میری کون سنتا ہے۔ سب نے یہی کہا کہ اس کو ولایت تک پڑھانا ہے۔ اس کا دادا کہتا تھا کہ

اگر علی اکبر بی اے کر کے نہیں بگڑا تھا تو یہ کیسے بگڑے اا سے لاہور بھیج دیا کہاں ہے وہ؟''

اپنے سوال کا جواب نہ پا کر دادی سب کو برا بھلا کہتی ہوئی کمروں میں سلیم کو تلاش کرنے لگی۔

صغریٰ نے کہا'' دادی جان، بھائی جان بیٹھک میں ہیں''

تھوڑی دیر بعد گھر کی عورتیں بیٹھک سے باہر کھڑی قہقہے لگا رہی تھیں دادی کہہ رہی تھی'' کیا کہتے ہو بے ایمان! میم لاؤ گے میرے گھر؟ شرم نہیں آتی تمہیں؟''

وہ ہنس رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔'' دادی جان۔۔۔۔!''

''بس میں تمہاری دادی نہیں ہوں!''

''دادی جان آپ کون سی میم کے متعلق باتیں کر رہی ہیں؟''

''مجھے تمہاری تمام کرتوت معلوم ہوگئی ہے اسی لیے نئے نئے سوٹ سلوایا کرتے تھے؟''

افضل ڈیوڑھی کے راستے بیٹھک میں داخل ہوا'' کیا ہوا؟'' اس نے سوال کیا

دادی نے جواب دیا'' اپنے بھتیجے سے پوچھو!''

سلیم نے کہا'' دادی جان آپ سے مذاق ہو رہا ہے!''

''جھوٹا کہیں کا، تم نے کہا نہیں کہ میں وہاں شادی نہیں کروں گا!''

''دادی جان خدا کی قسم! وہ تمہیں چڑا رہی ہیں!''

افضل عورتوں کے قہقہے سن کر ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا'' کیا بات ہے

بھابی؟'' اس نے سلیم کی ماں سے سوال کیا

''کچھ نہیں، سلیم کی دادی گرمی میں تین میل پیدل چل کر آئی ہیں، انہیں ذرا غصہ آ رہا ہے!''

اور سلیم کی دادی یہ سنتے ہی گرم ہوا کے جھونکے کی طرح باہر نکل آئی ''بے ایمان چڑیلیں، ٹھہرو تو!''

صغریٰ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی، دادی نے آگے بڑھ کر اس کی چوٹی پکڑ لی اور اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ سلیم قریب پہنچ کر کہنے لگا ''دادی جان! ایک اور لگاؤ اسے، بڑی چڑیل ہے یہ''

دادی کے ہاتھ تھک گئے لیکن صغریٰ کی ہنسی میں فرق نہ آیا۔



مہندر سنگھ کے گاؤں میں علاقے کی امن کمیٹی کی میٹنگ تھی آموں کے ایک باغ میں علاقے کے سرکردہ مسلمان سکھ اور ہندو جمع ہوئے اور سیٹھ رام لال نے اپنی تقریر میں لوگوں کو پرامن رکھنے کے لیے چند آدمیوں کی کوششوں کی بے حد تعریف کی اس نے کہا ''بھگوان کا شکر ہے کہ گزشتہ چار پانچ ماہ میں جب کہ پنجاب میں جگہ جگہ ہندو، مسلمان اور سکھ ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں، ہمارے ضلع میں کوئی فساد نہیں ہوا، ہم آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔ اس علاقے کے بزرگوں میں سے میں چودھری رحمت علی اور سردار اندر سنگھ کو سب سے زیادہ

تعریف کا حق دار سمجھتا ہوں یہ دو بزرگ اس عمر میں بھی روزانہ دیہات میں گشت کے لیے جاتے اور شانتی کا پرچار کرتے رہے ہیں۔ بھائی افضل اور بھائی شیر سنگھ نے جو کام کیا ہے وہ کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں، لوگوں نے باہر سے آ کر اس علاقے میں فساد کرانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے کسی کو سر نہیں اٹھانے دیا۔ آج ہندو، سکھ اور مسلمان بہنیں آزادی سے پھرتی ہیں، کسی کو جرأت نہیں کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے یہ سب بھائی افضل اور بھائی شیر سنگھ کی ہمت کا نتیجہ ہے۔"

بھائیو! بڑوں اور بوڑھوں کی نسبت نوجوانوں میں جوش زیادہ ہوتا ہے لیکن ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے علاقے میں سلیم اور مہندر سنگھ جیسے پڑھے لکھے نوجوان موجود ہیں۔ انہوں نے دن رات ایک کر کے ہر گاؤں میں امن کمیٹی بنائی ہے اور یہ انہی کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج ہم آپس میں بھائیوں کی طرح بیٹھ کر باتیں کر رہے ہیں ہمارا ضلع پاکستان میں جا چکا ہے۔ حد بندی کے متعلق ابھی تک آخری اعلان نہیں ہوا لیکن ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ حد بندی کے کمیشن کا فیصلہ خواہ کچھ ہو، اس علاقے میں فساد نہیں ہو گا۔ چودھری رحمت علی اور ان کے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں نے اس علاقے کے مسلمانوں کی طرف سے سکھوں اور ہندوؤں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور ہمیں ان پر اعتبار ہے انہوں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے کہ وہ ہم سے کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں ہونے دیں گے۔ اس لیے میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ ہم بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنی نیک نیتی کا ثبوت دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم ہندوؤں کی اس علاقے میں کوئی طاقت نہیں، پھر بھی ہم گئو ماتا پر ہاتھ رکھ کر

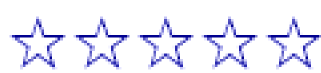
قسم اٹھانے کے لیے تیار ہیں کہ ہماری طرف سے کوئی شرارت نہیں ہوگی۔

سکھوں کی طرف سے چرن سنگھ اور اندر سنگھ نے اعلان کیا کہ ہم گورو گرنتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھانے کے لیے تیار ہیں۔

اس کے بعد سیٹھ رام لال کے گھر سے ایک خوبصورت گائے اور گیانی سورن سنگھ کے گھر سے گرنتھ مہیا کیا گیا اور قریباً ہر گاؤں کے سرکردہ سکھوں نے گرنتھ پر اور ہندوؤں نے گائے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائے۔

بالآخر چودھری رحمت علی جس کی بھویں تک سفید ہو چکی تھیں، اپنی چھڑی کا سہارا لے کر اٹھا ''بھائیو!'' اس نے نحیف آواز میں کہا ''جس دن وائسرائے نے یہ اعلان کیا تھا کہ ضلع گورداسپور پاکستان میں آگیا ہے، میں نے اسی دن اپنی برادری کے آدمیوں کو بلا کر یہ ہدایت کی تھی کہ اب ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر آتی ہے۔ اس کے بعد میں پیر عبدالغفور اور مولوی محسن علی کے ساتھ ہر گاؤں میں گیا ہوں اور ہم نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اسلام کسی کے خلاف ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ جن جوشیلے آدمیوں سے ہمارے سکھ اور ہندو بھائیوں کو فساد کا خطرہ تھا، انہوں نے مسجد میں کھڑے ہو کر حلف اٹھایا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی حفاظت کریں گے۔ یہ ہمارا فرض تھا بھائیو! پاکستان اور ہندوستان بن جانے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے بھیڑیے بن گئے ہیں۔ ہم صدیوں ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہے ہیں بچپن میں ہم ان درختوں پر اکٹھے جھولے جھولا کرتے تھے جو ہمارے

بزرگوں نے لگائے ہیں اور ہمارے بچے ان درختوں پر جھولا جھولتے ہیں جو ہم نے لگائے تھے ہم آپس میں کیوں لڑیں؟ ہم ان مکانوں کو آگ کیوں لگائیں جو ہم نے ایک ایک اینٹ اکٹھی کر کے تعمیر کیے ہیں جس زمین پر محنت کرنے سے آج تک ہم سب کو روٹی ملی ہے، وہ کل بھی ہمیں روٹی دے گی۔ ہمارے بزرگوں نے ان بنجر زمینوں کو ہمارے لیے سرسبز باغوں اور لہلہاتی کھیتوں میں تبدیل کیا۔ یہ زمین مقدس ہے اس سے ان کے پسینے کی مہک آتی ہے، اس میں ان کی ہڈیاں دفن ہیں اس زمین نے ہمارے لیے صدیوں تک پھل، پھول اور اناج پیدا کیا ہے ہم اس پر بے گناہوں کا خون نہیں گرائیں گے بھائیو! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں اس علاقے کے کسی مسلمان کو کسی ہندو یا سکھ کا گھر جلانے سے نہ روک سکا، تو میں اپنے خون کے چھینٹوں سے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کروں گا میں نے یہ باتیں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں کہیں بلکہ اس لیے کہی ہیں کہ میں مسلمان ہوں اور جب یہ ضلع پاکستان میں شامل ہو گیا ہے تو مجھ پر اپنی قوم کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں پاکستان کی ہندو اور سکھ رعایا کی حفاظت کروں۔"



سلیم اور مہندر راس میٹنگ میں موجود تھے۔ علاقے کے چند اور تعلیم یافتہ نوجوان بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب جلسہ برخواست ہوا تو کندن لال نے سلیم سے کہا "بھئی ریڈیو کی خبروں کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر آپ سننا چاہتے ہیں تو چلیے۔"

مہندر نے کہا ''چلئے سلیم صاحب! بھائی بلونت بھی آئے ہوئے ہیں''

''چلو بھئی!''

سلیم، مہندر اور چار اور تعلیم یافتہ نوجوان کندن لال کی بیٹھک کی طرف چل دیے۔

خبریں سننے کے بعد سلیم بلونت سنگھ سے ملنے کے لیے مہندر کے ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن کندن لال نے کہا ''نہیں جی بیٹھئے، بلونت سنگھ کو میں یہیں بلوا لیتا ہوں میں نے نوکر آم لانے کے لیے بھیجا ہے۔''

''نہیں مجھے گھر میں کچھ کام ہے'' سلیم یہ کہہ کر اٹھا لیکن اپنے دوستوں کے اصرار پر بیٹھ گیا کندن لال نے ایک لڑکے کو آواز دے کر کہا ''سروپ جاؤ کپتان صاحب کو بلا لاؤ!''

ایک نوجوان نے سلیم سے سوال کیا ''باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟''

سلیم نے جواب دیا ''فیصلے سے آپ میں کیا رائے دے سکتا ہوں''

کندن لال نے کہا ''آپ نے اندازہ لگایا ہوگا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کمیشن 3 جون کے اعلان میں شاید کوئی تبدیلی نہ کرے!''

سلیم نے جواب دیا ''میرے خیال میں یہ ممکن نہیں عارضی تقسیم میں مسلم اکثریت کے بہت سے علاقے ہندوستان میں شامل کردیے گئے ہیں میرے خیال میں حد بندی تک نظم و نسق میں سہولت کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہے مثلاً ضلع امرتسر کی تحصیل اجنالہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ہے۔ وہاں مسلم اور غیر مسلم

آبادی کا تناسب چودہ اور آٹھ کا ہے اور غیر مسلم آبادی میں عیسائی اور اچھوت بھی ہیں۔اس کے بعد دسوہہ، جالندھر، ہوشیار پور، نکور، فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلوں میں بھی اکثریت ہے اور یہ تمام علاقے پاکستان سے ملحق ہیں۔''

بلونت سنگھ شراب کے نشے میں جھومتا ہوا اندر داخل ہوا اور سلیم اور اس کے ساتھیوں سے مصافحہ کرنے کے بعد ایک خالی کرسی کھسکا کر سلیم کے قریب بیٹھ گیا۔ مہندر محسوس کر رہا تھا کہ اس کے منہ سے شراب کی بو سلیم کو پریشان کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے لیے گفتگو کا موضوع بدل گیا۔ بلونت سنگھ بتا رہا تھا کہ مہاراجہ کشمیر نے اسے پولو کھیلنے کے لیے اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا انعام دیا ہے۔وہ اس بات سے ناراض تھا کہ سلیم پچھلے سال سرینگر آیا لیکن اس سے نہیں ملا۔

سلیم نے معذرت کی ''بھئی! میں تین دن سرینگر رہ کر گلمرگ اور اس کے بعد پہلگام چلا گیا تھا۔ہاں بھئی! میں تمہیں کیپٹن بننے پر مبارکباد دیتا ہوں!''

''چھوڑ یار یہ کون سی کامیابی ہے میری میرے جو ساتھی انڈین آرمی میں بھرتی ہوئے وہ میجر اور کرنل بن گئے کشمیر آرمی میں بھی جن افسروں کو جنگ میں بلا لیا گیا تھا وہ سب ترقی کر گئے ہیں ہمارا خیال تھا کہ اگر کشمیر میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم بھی کچھ بن جائیں گے لیکن وہاں کسی نے سر نہ اٹھایا اور ہمیں بہادری دکھانے کا موقع نہ ملا۔ البتہ اب وہاں چیونٹیوں کے کچھ کچھ پر نکلنے لگے ہیں۔امید ہے کشمیر میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ہمیں خطرہ تھا کہ ہماری رجمنٹ ٹوٹ جائیگی۔لیکن اب یہ خطرہ نہیں رہا مہاراجہ نے فوج کم کرنے کی بجائے اور سکھ مانگے ہیں۔''

کندن لال نے سوال کیا ”آپ کے خیال میں کشمیر میں بغاوت کا خطرہ ہے؟“

”بغاوت وہاں کیا ہو گی، البتہ پاکستان کا نام سن کر کچھ لوگ بے چین ہو رہے ہیں ان کا جوش ہم دو گھنٹوں میں ٹھنڈا کر دیں گے، بہر حال اب پاکستان کی وجہ سے مہاراجہ فوج کی اہمیت محسوس کرنے لگا ہے۔“

مہندر سنگھ نے سلیم کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر موضوع بدلنے کی نیت سے کہا ”بھائی جان! ہم باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کے متعلق بحث کر رہے تھے۔“

بلونت سنگھ نے اپنے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا ”باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ ہمیں معلوم ہے۔“

کندن لال نے کہا ”ہاں بھئی سلیم! آپ یہ کہہ رہے تھے کہ اجنالہ، ہوشیار پور، دسوہہ، جالندھر، نکودر، زیرہ اور فیروز پور کی تحصیلیں مسلم آبادی کی اکثریت کے باعث پاکستان کو ملیں گی لیکن اس صورت میں ہمارے ضلع کی تحصیل پٹھانکوٹ میں ہندو آبادی زیادہ ہے، پھر یہ بھی ہندوستان میں شامل ہو گی۔“

سلیم نے جواب دیا ”میرے خیال میں لدھیانہ میں مسلم اکثریت کا علاقہ جو پاکستان کے ساتھ ملحق نہیں، پٹھانکوٹ کے ساتھ تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو بھی پاکستان کو آٹھ دس زرخیز ترین تحصیلوں کے بدلے ایک بنجر تحصیل چھوڑ دینے میں کوئی خسارہ نہیں ہو گا۔“

بلونت سنگھ نے کہا ”بھئی! اگر نقشہ ہو تو میں بھی کچھ بتاؤں گا!“

کندن لال نے کہا ”نقشہ آپ کے پیچھے دیوار پر لٹک رہا ہے۔“

بلونت سنگھ نے اٹھ کر کہا "بھئی سلیم! تم پنسل ہاتھ میں لو اور نشان لگا کر بتاؤ، پھر میں بھی تمہیں بتاؤں گا!"

کندن لال نے میز کی دراز سے سرخ پنسل نکال کر سلیم کے ہاتھ میں دے دی اور اس نے نقشے کے پاس کھڑے ہو کر کہا "میرے خیال میں پاکستان اور ہندوستان کی قدرتی سرحد ستلج ہے۔ اس صورت میں ہوشیار پور سے غیر مسلم اکثریت کی دو تحصیلیں پاکستان میں آ جائیں گی لیکن ان کے تبادلے میں ستلج سے پار مسلم اکثریت کے علاقے ہندوستان میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ اب ضلع امرتسر کا سوال آتا ہے اس کی تحصیل اجنالہ کے متعلق میں یہ بتا چکا ہوں کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، باقی ضلع میں سکھوں کی اکثریت ہے اور دربار صاحب کی وجہ سے وہ اسے بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اس لیے ممکن ہے کہ اجنالہ کے سوا باقی امرتسر کو فیروز پور کے ساتھ ملا دیا جائے اس صورت میں باؤنڈری لائن یہ ہو گی۔"

سلیم نے پنسل کے ساتھ نقشے پر ایک ہلکی سی لکیر کھینچ دی

بلونت سنگھ نے کہا "بس تم یہی سمجھتے ہو؟"

سلیم نے جواب دیا "میرے خیال میں اگر انگریز ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے خلاف زیادتی کر کے فسادات کی نئی آگ نہیں بھڑکانا چاہتا تو سرحد یہی ہو گی۔"

بلونت سنگھ نے سلیم کے ہاتھ سے پنسل لیتے ہوئے کہا "ریڈکلف کا فیصلہ سننے کے بعد یہ نقشہ ضرور دیکھنا۔۔۔ یہ بلونت سنگھ کا نہیں، اسے ریڈکلف اور مونٹ

بیٹن کا ہاتھ سمجھو۔ سلیم بھئی تم تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کرلو، میں وہ لکیر کھینچنے والا ہوں جو ریڈ کلف اور لارڈ مونٹ بیٹن کھینچ چکے ہیں۔‘‘

سلیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ’’بھئی مجھے غش نہیں آئے گا تم اطمینان رکھو۔۔۔!‘‘

بلونت سنگھ نے قہقہہ لگایا ’’غش! میرے دوست جس دن ریڈ کلف اپنی پٹاری کھولے گا، اس دن بڑوں بڑوں کو غش آجائے گا دیکھو!‘‘

بلونت سنگھ نے نقشے پر دوسری لکیر کھینچ دی۔ سرخ رنگ کی یہ لکیر سلیم کی لکیر کے مقابلہ میں بہت نمایاں تھی اور سلیم حیرانی اور اضطراب کی حالت میں نقشے کی طرف دیکھ رہا تھا بلونت سنگھ نہ صرف ستلج اور بیاس کے درمیان مسلم اکثریت کے تمام علاقے ہندوستان میں شامل کر چکا تھا بلکہ اس کی لکیر شکر گڑھ کے سوا گرداسپور کا باقی ضلع امرتسر کا تمام رقبہ اور لاہور کا کچھ علاقہ بھی ہندوستان کی طرف دکھا رہی تھی۔ نقشے سے نظر ہٹا کر سلیم نے بلونت سنگھ کی طرف دیکھا، اور اچانک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ’’یار! آج تم زیادہ پی آئے ہو میں اکثریت کے گیارہ لاکھ مسلمانوں کو بچانے کی فکر میں تھا اور تم نے پندرہ لاکھ اور ہندوستان کی طرف دھکیل دیے ہیں۔‘‘

’’تم ہنس رہے ہو ابھی میں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا دیکھو!‘‘ بلونت سنگھ نے اوپر کی طرف ایک اور لکیر کھینچ کر پہلی لکیر کے ساتھ ملاتے ہوئے کہا ’’پندرہ لاکھ نہیں میں نے تیس پینتیس لاکھ اور مسلمان ہندوستان کی طرف دھکیل دیے ہیں کشمیر ہندوستان میں شامل ہوگا، وہ لکیر دیکھو۔‘‘

سلیم نے کہا ”اچھا تو تم نے کشمیر کے ضلع گورداسپور ہندوستان میں شامل کر دیا ہے لیکن بھی وائسرائے تو گورداسپور کو پاکستان میں شامل کر چکا ہے۔ اب تم فیصلہ بدل دو تو اور بات ہے۔“

بلونت سنگھ نے قدرے جوش میں آ کر کہا ”گورداسپور کشمیر کی طرف ہندوستان کا راستہ ہے، اسے ہندوستان میں شامل ہونا پڑے گا۔ مونٹ بیٹن کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔ جب پینتیس لاکھ مسلمانوں کی آبادی رکھنے والی ریاست کا راجہ ہندوستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہے تو ضلع گورداسپور کے پانچ چھ لاکھ مسلمانوں کی مخالفت کی پروانہیں کی جائے گی۔“

سلیم نے کہا ”بھئی اگر یہ صورت ہوئی تو ہمیں بھی دکن، بھوپال اور جوناگڑھ کا راستہ مل جائے گا۔“

بلونت سنگھ نے کہا ”دکن، بھوپال اور جوناگڑھ ہماری جیب میں ہیں۔ ہم صرف کشمیر کے متعلق سوچ رہے ہیں۔“

کندن لال کے نوکر نے ایک گول طشت میں آم لا کر میز پر رکھ دیے سلیم نے مہندر اور کندن لال کے اسرار پر ایک آم اٹھا لیا لیکن کھاتے وقت وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ آج آموں کا ذائقہ بدل چکا ہے۔

کندن لال نے بلونت سنگھ سے کہا ”بھئی تم نہیں کھاؤ گے؟“

”نہیں بھئی آموں کے لیے آج میرے پیٹ میں جگہ نہیں!“

سلیم نے کہا ”سچ بتانا بلونت سنگھ، آج تم نے کتنی بوتلیں چڑھائی ہیں؟“

بلونت سنگھ نے جواب دیا ’’یار دیکھو تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے دل لگی کر رہا ہوں لیکن یہ نقشہ اپنے ساتھ لے جاؤ پھر کسی دن کہو گے کہ تم نے کسی الو کے پٹھے سے نہیں، آدمی سے بات کی تھی!‘‘

مہندر اپنے بھائی کی باتوں سے سخت پریشان تھا۔اس نے گفتگو کا رخ بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا ’’بھائی جان! سلیم صاحب کی منگنی ہوئی ہے آپ نے انہیں مبارکباد نہیں دی؟‘‘

’’بھائی مبارک ہو، کب ہوئی منگنی؟‘‘

سلیم کی بجائے مہندر نے جواب دیا ’’کوئی دو ہفتے ہوئے ہیں!‘‘

’’اچھا بھئی مٹھائی کب کھلاؤ گے؟‘‘

سلیم نے جواب دیا ’’پندرہ اگست کے بعد تم سب کو دعوت دوں گا!‘‘

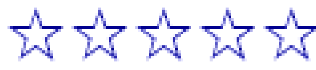
بلونت سنگھ نے کہا پندرہ اگست تک تو میں یہیں ہوں۔

جب یہ مجلس برخاست ہوئی تو مہندر نے کچھ دور تک سلیم کا ساتھ دیا۔ گاؤں سے باہر نکل کر اس نے مغموم لہجے میں کہا ’’بلونت کی باتوں سے آپ کو تکلیف ہوئی ہو گی، میں آپ سے معافی مانگتا ہوں مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس وقت بھی شراب سے بدمست ہو گا!‘‘

سلیم نے مہندر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ’’مہندر! تمہیں میرے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں نے اسے دیکھتے ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ آج معاملہ خراب ہے۔‘‘

سلیم نے بظاہر مہندر کو مطمئن کر دیا کہ بلونت سنگھ کی باتوں کو اس نے شرابی کی بکواس سے زیادہ اہمیت نہ دی لیکن جب وہ تنہا اپنے گاؤں کا رخ کر رہا تھا تو اس کے کانوں میں بلونت سنگھ کے الفاظ گونجنے لگے۔ وہ تصور میں بار بار اس سرخ لکیر کو دیکھ رہا تھا جو بلونت سنگھ نے نقشے پر کھینچی تھی۔ اچانک اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔ ''اگر یہ درست ہوا تو؟'' اور تھوڑی دیر کیلئے اس کی رگوں میں خون کا ہر قطرہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ یہ لکیر بڑھتی اور پھیلتی گئی یہاں تک کہ پانچ دریاؤں کی سرزمین میں اسے ایک نیا دریا نظر آنے لگا۔۔۔۔ آگ اور خون کا دریا۔ اس دریا کا سیلاب بستیوں اور شہروں کو نیست و نابود کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔۔۔۔۔ یہ لکیر اسے ایک مہیب اژدہا نظر آ رہی تھی اور ہندو فاشزم کی عفریت اس پر سوار ہو کر کہہ رہا تھا ''اب میں آزاد ہو گیا ہوں۔۔۔۔ اب مجھے آگ اور خون سے کھیلنے کی پوری آزادی مل گئی ہے۔'' ریڈکلف کے قلم کی ایک جنبش نے اسے ستلج کے کنارے سے اٹھا کر راوی کے کنارے تک پہنچا دیا تھا اور اسے کشمیر کی سیر کرانے کے لیے گورداسپور کی گذرگاہ پر مسلمانوں کی لاشیں بچھا دی گئی تھیں اور کشمیر کے پینتیس لاکھ مسلمان۔۔۔۔؟

سلیم کے دل میں اچانک نئی دھڑکنیں بیدار ہوئیں وہ چلایا ''نہیں نہیں، یہ غلط ہے۔۔۔۔ یہ ناممکن ہے، یہ ایک شرابی کی بکواس ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انگریز کبھی ایسی نا انصافی نہیں کر سکتا کوئی مہذب انسان ایسا نہیں کر سکتا۔'' یہ لکیر سمٹتے سمٹتے اس کی آنکھوں سے ناپید ہو گئی اور وہ دوسری سامنے آ گئی جو اس نے اپنے ہاتھوں سے کھینچی تھی۔



پرانے وقتوں میں بھارت ماتا کے بیٹے قتل و غارت اور لوٹ مار کے لیے نکلا کرتے تو کالی دیوی کی پوجا کر کے منتیں مانا کرتے تھے یہ مورتی اپنے پجاریوں کو ہر اس مکروہ فعل کی اجازت دیتی تھی جو انسانی ضمیر کے لیے ناقابل برداشت ہوتا تھا بیسویں صدی کی تہذیب کے گہوارے میں آنکھیں کھولنے والا ہندو بھی اپنی فطرت کے لحاظ سے تاریک زمانے کے ہندو سے مختلف نہ تھا۔ قدیم ہندو سماج کی بنیاد نفرت اور حقارت کے اس جذبے پر رکھی گئی تھی جسے ہندو نیچ ذات کے لیے اپنے دل میں جگہ دے چکا تھا۔ پرانے ہندوؤں کی برتری کا راز شودر کی تذلیل میں تھا۔

نئی ہندو سماج کی بنیاد مسلم دشمنی کے جذبے پر استوار ہوئی تھی اور وہ اپنے تفوق کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنا ضروری سمجھتے تھے صدیوں کے ظلم اور استبداد نے اچھوت کی رگوں سے زندگی کا خون نچوڑ لیا تھا اور ہندو کے اقتدار کی لاٹھی کے سامنے وہ بھیڑوں کا ایک گلہ بن چکے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا معاملہ ان سے مختلف تھا۔ انہوں نے صدیوں اس ملک پر حکومت کی تھی، انہوں نے برہمن کے سومنات کی ہیبت کے سامنے سر جھکانے کی بجائے اس کے ٹکڑے اڑائے تھے اور دور زوال میں بھی ان کی رہی سہی قوت مدافعت اتنی ضرور تھی کہ ہندو اپنے ان حربوں کو بیکار سمجھتا تھا، جو اس نے اچھوت پر آزمائے تھے۔ ہندو اپنے قدیم دیوتاؤں کی کرامات سے مایوس ہو کر کسی نئے دیوتا کی تلاش میں تھا اپنی سفاکی اور بربریت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنے کے لیے اسے کسی کالی دیوی کے سہارے سے زیادہ

کسی ایسے دیوتا کی عملی مدد کی ضرورت تھی، جو مسلمانوں کو باندھ کر اس کے آگے ڈال دینے کی قدرت رکھتا ہو۔

قدیم وقتوں میں جب انہیں شودروں کی سرکوبی کی ضرورت محسوس ہوتی تو دھرتی ماتا کے سینے سے کئی ہاتھوں اور کئی سروں والے کالے اور مہیب دیوتا خود بخود نکل آیا کرتے تھے کسی کی ناک ہاتھی کی سونڈ سے بڑی ہوتی، کسی کے سر پر بالوں کی بجائے سانپ لہرا رہے ہوتے اور کسی کی دم ہی اتنی لمبی ہوتی کہ برہمنوں اور اونچ ذات کے لوگوں کے خلاف بغاوت کرنے والے ''راکشش'' یا ''شودر'' سہم کر بھاگ نکلتے لیکن جب سے مسلمانوں نے اس ملک میں قدم جمائے تھے، دھرتی ماتا نے ایسے دیوتاؤں کو جنم دینا بند کر دیا تھا۔

1947ء میں ایک دن ایک بدیشی دیوتا لنڈن سے ہوائی جہاز پر سوار ہو کر دہلی پہنچا اس دیوتا کا رنگ سفید تھا۔ شکل و صورت بھی ہندو سماج کے خوفناک دیوتاؤں سے مختلف تھی تاہم مرن برت اور مون برت رکھنے والے مہاتما اور ان کے چیلے دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی دیوتا ہے، جس کی بھارت ماتا کو مدت سے تلاش تھی یہ باہر سے سفید ہے لیکن اس کا دل کالی دیوی کے چہرے سے کہیں زیادہ سیاہ ہے کالے پجاریوں کا یہ سفید دیوتا لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن تھا۔



اگر ترازو کے ایک پلڑے میں ماؤنٹ بیٹن کی کارگزاریوں اور دوسرے پلڑے

میں برطانوی سامراج کے تمام گزشتہ جرائم کو رکھ دیا جائے تو ماؤنٹ بیٹن کا پلڑا بھاری رہے گا۔ اگر انسانیت کے قاتلوں کی فہرست تیار کی جائے تو ماؤنٹ بیٹن کا نام سب سے اوپر لکھا جائے گا چنگیز اور ہلاکو جہاں جاتے آگ اور خون کا پیغام لے کر جاتے تھے لیکن ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے برصغیر کو آزادی اور جمہوریت کی نعمتوں سے مالا مال کرنے کے لیے آیا تھا۔ چنگیز اور ہلاکو اس قوم کے راہنما تھے جو خنجر کو آستین میں چھپانے کے فن سے ناآشنا تھی، وہ ہاتھوں پر ربڑ کے دستانے چڑھا کر انسانوں کا گلا نہیں گھونٹتے تھے وہ قتل کرتے تھے اور مقتولوں کی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرتے تھے تاکہ مورخوں کو ان کے متعلق غلط فہمی نہ ہو۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن بیسویں صدی کا ایک مہذب قاتل تھا اور اسے قاتلوں کے ایک ایسے گروہ کی سرپرستی نصیب ہوئی جو برسوں سے اپنے بدترین اعمال کو بہترین الفاظ میں چھپانے کی مشق کر رہا تھا ہندو جاتی کا روشن خیال سپاہی مقتول کی لاش پر کھڑے ہو کر بھی یہ کہنا سیکھ چکا تھا کہ میں تمہارے لیے امن اور دوستی کا پیغام لایا ہوں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن بظاہر ہندوستان کی تقسیم اور انتقال اختیارات کے لیے آیا تھا لیکن درحقیقت اس کا مشن مسلمانوں کے قتل عام کیلئے ہندوؤں کے ہاتھ مضبوط کرنا تھا اور اس مقصد کے لیے یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ آبادی کو ہندوستان اور ہندوؤں کی کم سے کم آبادی کو پاکستان میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے برصغیر میں مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت کے صوبوں کو تقسیم کے اصول کو صرف مسلم اکثریت کے صوبوں یعنی پنجاب اور بنگال کی تقسیم میں تبدیل کر

دیا۔اس نا منصفانہ تقسیم نے نہ صرف پاکستان کو اس کے بہترین علاقوں سے محروم کر دیا بلکہ ہندوستان کی مسلم اور پاکستان کی غیر مسلم اقلیت کا وہ توازن بھی ختم کر دیا جس کی بدولت دونوں مملکتوں میں امن کی امید تھی پاکستانی علاقے سے قریباً ڈیڑھ کروڑ مسلم آبادی اور کوئی دو کروڑ ہندو اور سکھ آبادی ہندوستان میں شامل کر دی گئی۔لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی اس نا انصافی سے مسلمانوں کو صرف ساڑھے چھ کروڑ کی آبادی کے حصے کا رقبہ ملا۔

مسلمان یہ تلخ گھونٹ اپنے حلق سے اتارنے پر مجبور کر دیے گئے لیکن یہ صرف ابتداء تھی، اس کے بعد انتقال اختیارات کی باری آئی۔مسلمانوں کو وہ سلطنت دے دی گئی جس کی حدود ابھی متعین نہیں ہوئی تھیں انہیں وہ حکومت مل گئی جس کے حصے کی افواج ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ابھی تک ہندوستان سے باہر رکھی گئی تھیں پاکستان کے حصے کا تمام اسلحہ اور بارود ہندوستان میں پڑا ہوا تھا یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندو فاشزم کے سیلاب کے دروازے کھولنے سے پہلے پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔انتقال اختیارات میں اس کی جلد بازی اس اسکیم کا اہم ترین حصہ تھی جس کے مطابق بنگال اور پنجاب کی تقسیم ہوئی تھی۔

15 اگست سے قبل دہلی کے نواح سے لے کر امرت سر تک آگ اور خون کے طوفان کا نیا دور شروع ہو چکا تھا 15 اگست سے قبل پٹیالہ، نابھ کپورتھلہ، بھرت پور اور الور کی افواج مشرقی پنجاب میں پہنچ چکی تھیں راشٹریہ سیوک سنگھ کے گروہ ہندو

ریاستوں سے اسلحہ اور بارود حاصل کر کے پنجاب کا رخ کر رہے تھے اور حکومت مشرقی پنجاب کی مسلمان پولیس کو غیر مسلح کر رہی تھی امرت سر میں مسلمان کانسٹبلوں کو غیر مسلح کر کے ان پر گولیوں کی باڑ مارنے کے بعد مشرقی پنجاب کے حکام یہ واضح کر چکے تھے کہ وہ کس قسم کا امن قائم کریں گے۔

پندرہ اگست سے بہت پہلے سکھوں، مہا سبھائیوں اور کانگرسیوں کا اتحاد پنجاب کے خرمن میں آگ لگا چکا تھا اور ماؤنٹ بیٹن کو معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں کو بے دست و پا بنا کر اس فسطائی لشکر کے سامنے ڈال دیا گیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے پندرہ اگست سے پہلے اگر پاکستان کو اس کے حصے کی افواج اور اسلحہ کے ذخائر مل جاتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ پنجاب میں سکھ ڈوگرہ اور گورکھا افواج کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کو روکنے کے لیے پاکستان کی آواز اس قدر بے اثر ثابت ہوتی یہ ممکن نہ تھا کہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے بھیڑیے اور ہندو اور سکھ ریاستوں کے سپاہی مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے اور پاکستان کے مسلمان صرف بیچارگی کے آنسو بہا کر خاموش ہو جاتے لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان میں وحشت اور بربریت کے جس سیلاب کے دروازے کھولنا چاہتا تھا اس کے راستے کی تمام قوتیں اور رکاوٹیں بھی دور کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ بعض لوگ شاید یہ کہیں کہ اگر ماؤنٹ بیٹن اس حد تک مسلمانوں کا دشمن تھا تو اسے مسلمانوں کو لولا لنگڑا پاکستان دینے کی بھی کیا ضرورت تھی، اس سوال کا صحیح جواب ہمیں لیبر وزارت کے طرز عمل سے ملتا ہے۔

لیبر وزارت ہندوستان کی سیاسی جنگ میں ایک فریق کی بجائے ایک ثالث کی

حیثیت اختیار کر چکی تھی اور ثالث کی حیثیت میں وہ ہندو کو زیادہ سے زیادہ دے کر خوش کرنا چاہتی تھی۔ ہندو سارا ہندوستان مانگتا تھا لیکن انگریز اپنی سنگین سے دس کروڑ مسلمانوں کو مغلوب کر کے ہندو کے آگے ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس صورت میں ثالث کی بجائے ہندو کے ساتھ شامل ہو کر ایک فریق کی حیثیت اختیار کرنا پڑتی تھی۔۔۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کی وہ صورت پیش کر دی جو ان کے وہم و گمان میں نہ تھی اور اس کے ساتھ ہی ہندو کو خوش کرنے کے لیے اسے تمام ان لوازمات سے مسلح کر دیا جنہیں وہ پاکستان کو نیست و نابود کرنے کے لیے کافی سمجھتا تھا[1]

---

[1] قائد اعظم اسلحہ اور افواج کی تقسیم سے پہلے انتقال اختیارات کے مخالف تھے وہ ماؤنٹ بیٹن کو اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کر چکے تھے لیکن ان کی آواز صدا الصحرا ثابت ہوئی۔

پندرہ اگست کو دہلی میں ہندوستان کی آزادی کا آفتاب طلوع ہوا۔ نہیں بلکہ پندرہ اگست کو دہلی میں آزادی کا آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا اور اس کے آتشیں مواد کا رخ اس نشیب کی طرف پھیر دیا گیا جہاں مسلمانوں کو پاکستان کے دفاعی حصار کی بنیادیں رکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ پندرہ اگست کو انگریز نے پتھر کے زمانے کی وحشت اور بربریت کو بیسویں صدی کی جنگی مشینوں پر سوار کر دیا۔

اس کے بعد جو کسر باقی رہ گئی تھی، وہ ریڈ کلف کی بد دیانتی اور بے ایمانی نے پوری کر دی۔ یہاں بھی مسلمانوں کو ایک انگریز کی دیانتداری اور نیک نیتی پر بھروسا

کرنے کی سزا ملی ۔ ریڈ کلف کا قلم ستلج یا بیاس کے کنارے رکنے کی بجائے راوی کے کنارے جا پہنچا، اس کی منطق سو فیصدی مہا سبھائی تھی ۔ ستلج بیاس اور راوی کے درمیان مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان کے ساتھ شامل کر دینے سے نہروں اور ریلوں کے انتظام میں خلل اور انتشار کا اندیشہ تھا چونکہ امرتسر کی دو تحصیلوں میں سکھوں اور ہندوؤں کی اکثریت تھی، اس لیے امرتسر کے سارے ضلع کو ہندوستان میں شامل کرنا ضروری سمجھا گیا تھا۔ بیاس کے پار مسلم اکثریت کی تمام تحصیلیں ہندوستان میں شامل کر دی گئیں ۔ مسلم اکثریت کا ضلع گورداسپور جو تین جون کے اعلان کے مطابق پاکستان کا حصہ بن چکا تھا تحصیل شکر گڑھ کے سوا اس لیے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا کہ مادھو پور سے نکلنے والی ان نہروں پر بھی بھارت کا کنٹرول ضروری سمجھا گیا تھا جو امرتسر کی دو تحصیلوں کے مقابلہ میں اکثریت کے اڑھائی اضلاع کو سیراب کرتی تھیں تحصیل اجنالہ کی مسلم آبادی ہندو اور سکھوں سے قریباً دو گنا تھی لیکن چونکہ یہ ہندو اور سکھ اکثریت کے ضلع امرتسر کا ایک حصہ تھی، اس لیے اسے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ ضلع لاہور میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور اس کی تحصیل قصور میں بھی مسلم آبادی زیادہ تھی ۔ تاہم ریڈ کلف نے یہ مناسب سمجھا کہ قصور کا کچھ حصہ ہندوستان کو دے دیا جائے اور ستلج کے پار ضلع فیروز پور میں مسلم اکثریت کے علاقے اس لیے ہندوستان میں شامل کر دیے گئے کہ سر ریڈ کلف یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ پاکستان کو ان سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

یہ ریڈ کلف نے خود ہی آنکھیں بند کر کے پنجاب کے نقشے پر ایک لکیر کھینچ دی تھی

یا ماؤنٹ بیٹن نے یہ لکیر کھینچتے وقت اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا؟ ریڈکلف نے یہ فیصلہ خود ہی لکھا تھا یا ماؤنٹ بیٹن نے یہ فیصلہ حسب ضروت تبدیل کر دیا تھا؟ ہمارے لیے اس بحث میں الجھنے کی بجائے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ بد دیانتی اور نا انصافی ایک اہم ضرورت کے ماتحت کی گئی تھی مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنے ہندوستانی پجاریوں کو ایک اور تحفہ دینا چاہتا تھا اور یہ نیا تحفہ کشمیر تھا۔اگر دریائے ستلج سرحد بنتا تو ہندوستان کے راستے میں ستلج اور بیاس کے درمیان ایک وسیع علاقہ اور اس کے بعد یہ ضلع گورداسپور حائل ہوتا تھا۔ماؤنٹ بیٹن تین جون کے اعلان میں ستلج اور بیاس کے درماین مسلم اکثریت کے تمام علاقے ہندوستان کو دے چکا تھا۔اب ہندوستان کے راستے میں آخری پتھر صرف ضلع گورداسپور تھا جسے وہ شاید انتہائی مجبوری کی حالت میں پاکستان کا حصہ قرار دے چکا تھا۔ اس پتھر کو ہندوستان کی راہ سے ہٹانے 1 کا کام ریڈکلف سے لیا گیا۔

---

1 گورداسپور کے متعلق ماؤنٹ بیٹن کی نیت کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ سہ جون کے بعد اس نے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ یہ ضروری نہیں کہ کوئی ایسا علاقہ جس میں ایک فرقے کی معمولی سی اکثریت ہو،تمام کا تمام ہندوستان یا پاکستان میں شامل کر دیا جائے۔تشریح کے لیے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ضلع گورداسپور کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت بہت معمولی ہے (باقی حاشیہ صفحہ 361)

اگر ضلع گورداسپور، تحصیل اجنالہ اور بیاس کے پاس ضلع فیروز پور میں مسلم

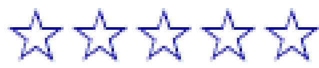
اکثریت کی تمام تحصیلیں ہندوستان کے حوالے نہ کی جاتیں تو اس کے چار نتائج ہوتے ایک یہ کہ سکھوں کی ایک بہت بڑی تعداد پاکستان میں چلی جاتی اور انہیں جارحانہ اقدام کی جرأت نہ ہوتی۔ اگر فساد ہوتا بھی تو ستلج اور بیاس کے درمیان اقلیت کے علاقوں کے مسلمانوں کو فوراً اپنی اکثریت کی تحصیلوں میں پناہ مل جاتی اور اگر امرتسر کی دو تحصیلوں میں سکھ کوئی زیادتی کرنے کا ارادہ کرتے تو انہیں یہ سوچنا پڑتا کہ تحصیل اجنالہ اور ضلع گورداسپور کے سکھوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

ایسی تقسیم کا دوسرا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہندو فاشزم مشرقی پنجاب کو آگ اور خون کا پیغام دینے کے بعد کشمیر کی وادیوں کا رخ نہ کرتا۔

تیسرا نتیجہ یہ ہوتا کہ پاکستان اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے زیادہ مضبوط ہوتا اور چوتھا یہ کہ مشرقی پنجاب کی سرزمین لاکھوں مسلمانوں کے خون سے لالہ زار نہ ہوتی اور پاکستان کی بنیادیں ہلانے کے لیے ہندوستان زخمی، ننگے اور بھوکے مہاجرین کے قافلے بھیجنے کا حربہ آزمانے میں اپنا فائدہ نہ دیکھتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ 360) سوال یہ ہے کہ ماؤنٹ کی نگاہ صرف ضلع گورداسپور پر کیوں پڑی امرتسر، فیروزپور، جالندھر اور ہوشیارپور پر کیوں نہ پڑی؟ ماؤنٹ بیٹن کے پیش کردہ اصول کے مطابق بھی صرف پٹھانکوٹ کی تحصیل ہندوستان میں جاتی تھی لیکن اس کے بدلے پاکستان کو دس تحصیلیں اور ملتی تھیں لیکن یہاں کسی اصول کا سوال نہیں تھا، یہاں صرف یہ مسئلہ تھا کہ ہندوستان کا ایک کونہ ہر قیمت پر کشمیر سے ملا دیا جائے۔

لیکن یہ سب باتیں ہندو پجاری اور اس کے انگریز دیوتا کی خواہشات کے خلاف ہوتیں۔



چودہ اور پندرہ اگست کی درمیانی رات کو مسلمانوں کے گھروں میں آزادی کے نعرے اور مسرت کے قہقہے گونج رہے تھے۔ بارہ بج کر ایک منٹ پر پاکستان اور ہندوستان کی آزاد مملکتیں وجود میں آ چکی تھیں۔

گاؤں کے مسلمانوں کے گھروں میں چراغاں کیا جا رہا تھا۔ کمسن لڑکے پٹاخے اور پھلجھڑیاں چلا رہے تھے اور بڑے مسجد میں جمع ہو کر شکرانے کے نفل پڑھ رہے تھے۔

سلیم نے ٹھیک بارہ بج کر ایک منٹ پر اپنے بالا خانے کی چھت پر پاکستان کا جھنڈا نصب کیا مجید اس کے قریب گیس بتی لیے کھڑا تھا۔ نیچے باہر کی حویلی اور مسجد کے ساتھ کھلی جگہ میں جمع ہونے والے لوگ ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگا رہے تھے۔

چودھری رحمت علی باقی آدمیوں کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا تو اندر سنگھ دروازے پر کھڑا تھا ''بھائی مبارک ہو!'' اس نے کہا

چودھری رحمت علی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور کہا '' بھائی! تم کو بھی مبارک ہو۔۔۔۔ پاکستان ہم سب کا وطن ہے۔''

گاؤں کے دوسرے سکھوں نے بھی چودھری رحمت علی اور باقی مسلمانوں کو مبارکباد دی۔

چودھری رحمت علی نے کہا ''آؤ بھئی! بیٹھتے ہیں!''

لوگ چودھری رحمت علی کے ساتھ باہر کی حویلی میں داخل ہوئے جنہیں چارپائیوں پر بیٹھنے کے لیے جگہ نہ ملی، ان کے لیے چٹائیاں بچھا دی گئیں۔ بعض سکھ قدرے بجھے بجھے نظر آتے تھے لیکن اسماعیل کے قہقہوں نے انہیں جلدی ہی یہ احساس دلا دیا کہ یہ گاؤں وہی ہے اور اس گاؤں کی محفلیں اسی طرح رہیں گی۔

کسی نے کہا رے چودھری رمضان کہاں ہے؟

اندر سنگھ نے کہا ''کچھمن سنگھ اسے لے کر آؤ مزا نہیں آتا اس کے بغیر!''

کچھمن سنگھ نے جواب دیا ''بھئی آج وہ نہیں آئے گا میں نے اسے بہت کہا تھا۔''

اسماعیل نے پوچھا ''کیا کر رہا ہے وہ؟''

کچھمن سنگھ نے جواب دیا ''بھئی وہ میرے گھر کے دروازے پر پہرہ دے رہا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر آج کسی نے تمہارے گھر میں کنکر بھی پھینک دیا تو میری ناک کٹ جائے گی!''

غلام حیدر بولا ''آج تو کچھ بانٹنا چاہیے رمضان کے اپنے گھر میں چور گھس جائے تو وہ آواز نکالنے والا نہیں!''

کچھمن سنگھ نے کہا ''لیکن بھئی! مجھے یقین ہے کہ وہ میری خاطر ضرور لڑے گا!''

پیراں دتہ نے کہا ''میں اسے لاتا ہوں''

کاکو عیسائی بولا ''میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں!''

کچھمن سنگھ نے جواب دیا ''بھائی ہری سنگھ کو بھی لے آنا!''

کاکو نے جواب دیا ''ہری سنگھ گھر پر نہیں ہے خبر نہیں کہاں گیا ہے!''

گاؤں کے لڑکوں کو رمضان سے کم دلچسپی نہیں تھی چنانچہ پیراں دتہ اور کاکو کے ساتھ چند لڑکے بھی چل پڑے۔

ایک لڑکے نے حویلی کے پھاٹک کے پاس پٹاخہ چلایا تو اسماعیل نے کہا'' بھئی! دیکھو پٹاخے مت چلاؤ چودھری رمضان پریشان ہو رہا ہوگا!''

اندر سنگھ نے کہا'' بھگوان کا شکر ہے کہ ہمارے ضلع میں کوئی فساد نہیں ہوا سارے ہے کہ چند دن سے امرتسر کی حالت بہت بری ہے چودھری رحمت علی! آپ نے سلیم کی منگنی وہاں کی ہے، آپ کو چاہیے تھا کہ جب تک وہاں فساد ہے، انہیں یہاں لے آتے!''

چودھری رحمت علی نے کہا''سلیم کے خسر نے بچوں کو گاؤں میں بھیج دیا ہے تحصیل اجنالہ میں فساد کا کوئی خطرہ نہیں پھر بھی اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم انہیں لے آئیں گے!''

سائیں اللہ رکھا نے کہا'' چودھری جی بھگت رام کا لڑکا رام لال لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ ہمارا ضلع پاکستان سے نکل کر ہندوستان چلا جائے گا!''

بھگت رام بولا'' بھئی کہنے سے کیا ہوتا ہے سلیم بھی کہا کرتا تھا کہ سارا پنجاب پاکستان کو ملے گا لیکن انگریز نے کئی ضلعے ہندوستان کو دے دیے لیکن اب تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو چکا ہے اب وائسرائے اپنا فیصلہ کیسے بدل سکتا ہے۔''

بیلا سنگھ نے کہا'' چودھری جی ہمیں تو یہ خوشی ہے، پاکستان کی سرکار سلیم کو کوئی بڑا

عہدہ دے گی سلیم کہا کرتا ہے کہ میں سب سے پہلے اس گاؤں میں سکول اور ہسپتال کھلواؤں گا اور پکی گلیاں بنواؤں گا!''

کچھمن سنگھ نے کہا ''یار سکول بنے نہ بنے، پکی گلیاں ضرور بنی چاہئیں، برسات میں میرے تو پاؤں گل جاتے ہیں''

رحمت علی نے کہا ''بھائی! اب اپنی حکومت ہوگی، انشاءاللہ بہت کچھ بنے گا!''

تھوڑی دیر میں کاکو اور پیراں دتہ چودھری رمضان کو لے آئے اور اسماعیل نے پرانے وقتوں کی باتیں شروع کر دیں رمضان کہہ رہا تھا ''یار! اسماعیل دنیا بدل گئی لیکن تم نہ بدلے، اچھا بھئی ہنس لو کبھی رمضان کو یاد کیا کرو گے!''

افضل بولا ''کہاں جانے کا ارادہ ہے چودھری؟''

''یار! بڑھاپے میں زندگی کا کیا اعتبار ہوتا ہے''

اسماعیل نے کہا ''فکر نہ کرو چودھری، ہماری قبریں ایک دوسرے سے دور نہیں ہوں گی!''

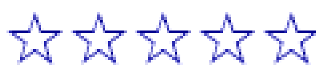
شیر سنگھ نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے سلیم سے کہا ''سلیم بھئی! میں یہ مانتا ہوں کہ اس ضلع کے مسلمانوں نے اب تک بہت حوصلے سے کام لیا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ابھی تک ہمارے گاؤں میں بھی ایسے آدمی ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ مسلمان صرف پندرہ تاریخ کا انتظار کر رہے ہیں اور پاکستان بنتے ہی وہ سکھوں پر حملہ کر دیں گے!''

سلیم نے جواب دیا چچا! آج رات کے بارہ بجے تک امن کی ذمہ داری انگریز پر

تھی لیکن اب اس ضلع کے سکھوں کی حفاظت کی ذمہ دار پاکستان کی حکومت پر ہے اور مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اگر فساد ہوا تو پاکستان بدنام ہوگا پھر اب تو آپ کو یہ خیال بھی نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمان فساد کریں گے اگر اس ضلع کے مسلمانوں کی نیت خراب ہوتی تو اب تک سکھوں کے دروازوں پر پہرے کیوں دیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے بعد اگر ہندوستان کی حکومت نے خود شرارت نہ کی تو ضلع امرت سر میں بھی امن ہو جائے گا۔

شیر سنگھ نے کہا ''بھئی! مجھے کیا تسلی دیتے ہو، میں تو جانتا ہوں میں تو ان بھائیوں کو تسلی دلانا چاہتا ہوں جو اب تک پریشان ہیں میرا واسطہ تو افضل کے ساتھ ہے اگر افضل پاکستان بننے پر خوش ہے تو میں بھی خوش ہوں آج تم نے اپنے گھر میں چراغ جلائے ہیں، جاؤ جا کر ہمارے گھر دیکھو میں نے دو روپے کی موم بتیاں جلا دی ہیں!''

سلیم نے کہا ''چچا! آپ فکر نہ کریں دو چار دن میں سب کو اطمینان ہو جائے گا''



16 اگست کے دن سلیم اور مجید شہر گئے ہوئے تھے ان کی غیر حاضری میں تھانیدار چند سپاہیوں کے ساتھ گاؤں میں آیا اور اس نے سلیم کے دادا سے کہا ''آپ کے خلاف شکایت موصول ہوئی ہے کہ آپ علاقے میں فساد کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں میں جانتا ہوں کہ بات غلط ہے تاہم افسروں نے حکم دیا ہے کہ جب تک حالات

بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتے، آپ اپنی بندوقیں ہمارے پاس جمع کرا دیں۔"

سلیم کا دادا اس بات کے لیے تیار نہ تھا لیکن تھانے دار نے کہا" اگر آپ خوشی سے بندوقیں جمع کرا دیں تو سکھوں اور ہندوؤں کو آپ کی نیک نیتی پر اور زیادہ یقین ہو جائے گا ورنہ پولیس آپ کو مجبور کرے گی اور ہندو اور سکھ بھی آپ کی نیت پر شبہ کریں گے۔"

چودھری رحمت علی نے قدرے پس و پیش کے بعد افضل اور غلام حیدر کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی بندوقیں تھانیدار کے حوالے کر دیں چودھری رحمت علی کے بھائی نور محمد کے گھر میں بھی ایک بندوق تھی اور وہ بھی تھانیدار نے چھین لی۔

جب پولیس واپس شہر کا رخ کر رہی تھی تو راستے میں انہیں سلیم اور مجید مل گئے۔ سب انسپکٹر کے اشارے پر انہوں نے اپنے گھوڑے روک لیے، وہ ایک ہی نگاہ میں اپنی بندوقیں پہچان چکے تھے۔

مجید کی کمر میں پستول دیکھ کر تھانیدار نے کہا۔" صوبے دار صاحب! میں آپ کے گاؤں مے بندوقیں لے آیا ہوں۔ آپ کے لیے یہ بہتر ہوگا، کہ جب تک آپ چھٹی پر ہیں اپنا پستول ہمارے پاس جمع کرا دیں!"

مجید نے ترشروئی سے جواب دیا۔" میں اپنے پستول کی حفاظت کر سکتا ہوں!" تھانیدار نے کہا۔" لیکن ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ جو لوگ کسی سرکاری ڈیوٹی پر نہ ہوں، ان کے ہتھیار جمع کر لیے جائیں!"

مجید نے جواب دیا۔ ''لیکن ابھی تک فوج شاید پولیس کے حکم سے آزاد ہے۔'' ''لیکن آپ چھٹی پر ہیں!''

''میں پاکستانی فوج میں ہوں اور یہ ضلع بھی شاید پاکستان میں ہے۔ تھانیدار صاحب! آپ کے راستے میں ایک اور گاؤں بھی تھا۔ آپ ہماری بندوقیں تو لے آئے لیکن وہاں کیوں نہیں گئے؟ اگر آپ کو معلوم نہیں تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ سیٹھ رام چند کے گھر میں دو بندوقیں ہیں اور کیپٹن بلونت سنگھ بھی میری طرح چھٹی پر آیا ہوا ہے۔ اس کے پاس ایک رائفل، ایک شارٹ گن اور ایک ریوالور ہے۔ اگر تلاشی لینے کی ہمت کرو تو شاید ان کے گھروں سے اور بھی بہت کچھ نکل آئے۔''

تھانے دار نے کہا۔ ''آپ کو ہمارے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ اگر افسروں کا حکم ہوتا تو ہم ان کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہ کرتے لیکن افسروں کی پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں کو رضا کارانہ طور پر اپنا اسلحہ جمع کرانے کے لیے کہا جائے لیکن ہندوؤں اور سکھوں کو پریشان نہ کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ یہ محسوس کریں گے۔ کہ پاکستان گورنمنٹ کی نیت ان کے متعلق ٹھیک نہیں۔ آپ فوج ہیں، آپ اپنا پستول لے جائیں لیکن اگر آپ جمع کرا دیتے تو اچھا ہوتا۔''

اگر مجھے جمع کرانے کی ضرورت پیش آئی تو بھی میں اپنی رجمنٹ کو پولیس پر ترجیح دونگا!''

''اچھا آپ کی مرضی!''

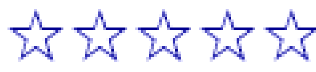
مجید نے سوال کیا۔ ''یہ بندوقیں ہمیں کب واپس ملیں گی؟''

تھانیدار نے جواب دیا۔ ''جب افسروں کا حکم ہوگا۔''

راستے میں سلیم مجید سے کہہ رہا تھا۔ ''مجید میں بہت پریشان ہوں۔ کل مسلمان تھانیدار ہمارے علاقے سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور سکھ حوالدار نے اس سے چارج لیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ تھانے دار اس علاقے میں اکالی دل کا جتھہ دار بھی ہے۔ کل یا پرسوں باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کا اعلان ہونے والا ہے۔ انہوں نے اپنی بندوقیں پولیس کے حوالے کرنے میں بڑی غلطی ہے۔''

دو دن کے بعد ضلع گورداسپور کے وہ مسلمان جنہوں نے پندرہ اگست کے دن اپنے مکانوں پر پاکستان کے جھنڈے لہرائے تھے۔ انتہائی بے بسی، پریشانی اور اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ ''اب کیا ہوگا؟''

ریڈیو پر باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ سنایا جا چکا تھا۔ ضلع گورداس پور پاکستان سے چھین کر ہندوستان کو دیا جا چکا تھا اور اس فیصلہ کے بعد چند گھنٹوں کے اندر اندر پولیس کے تمام مسلمان ملازم غیر مسلح کیے جا چکے تھے۔



باؤنڈری کمیشن کا اعلان مسلمانوں کے ہوش وحواس پر بجلی بن کر گرا۔ بالخصوص ضلع گورداسپور کے مسلمان جنہوں نے ریڈیو پر یہ اعلان سنا، اپنے کانوں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ دور افتادہ دیہات کے لوگ اسے ایک دلچسپ افواہ سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے۔ ''یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ ناممکن ہے۔'' وہ

اپنے سکھ پڑوسیوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ’’بھائیو! یہ بات غلط ہے۔ ریڈیو نے جھوٹ کہا ہوگا۔‘‘ اعلان سے اگلے دن سلیم اپنے مکان کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ رات بھر کی بے چینی اور بیداری سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کی ماں کمرے میں آئی اور مغموم لہجے میں بولی۔ ’’بیٹا! کچھ کھا لو۔ تم نے شام کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔‘‘

’’امی! مجھے بھوک نہیں۔‘‘

ماں نے اپنے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ ’’بیٹا! تم کہتے تھے کہ اجنالہ کی تحصیل اور ہمارا ضلع دونوں پاکستان میں آئیں گے۔ تمہارے ابا بھی یہی کہتے تھے، ڈاکٹر شوکت کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ کہتے تھے کہ حد بندی کے بعد امن ہو جائے گا اور اگلے مہینے کے پہلے ہفتے وہ خود آ کر تمہاری شادی کی تاریخ مقرر کریں گے۔ لیکن اب مجید کہتا ہے کہ سکھ فساد سے باز نہیں آئیں گے۔ بیٹا اب کیا ہو گا؟ وہ ہماری بندوقیں بھی لے گئے ہیں۔ کل تمہارے ابا جان آنے والے تھے، وہ بھی نہیں آئے۔ شاید آج آ جائیں۔ گاڑی تو آ گئی ہو گی؟‘‘

سلیم نے جواب دیا۔ ’’امی گاڑیاں بند ہو گئی ہیں؟‘‘

’’بیٹا وہ نہ آ سکتے تو تار ضرور دیتے۔‘‘

’’امی! اب تار بھی نہیں آ سکتے!‘‘

مجید بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ’’سلیم آؤ!‘‘ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

سلیم اچانک اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔سلیم کی ماں نے بدحواس ہوکر پوچھا۔''بیٹا! کیا ہے؟خبر ہے نا؟''

''کچھ نہیں چاچی جی!سلیم کو ایک آدمی بلاتا ہے!''

سلیم مجید کے ساتھ باہر نکل آیا۔ماں نے پھر کہا۔''ٹھہرو بیٹا مجھے بتا کر جاؤ۔'' سلیم رکا لیکن مجید اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

باہر کی حویلی میں افضل گھوڑوں پر زینیں ڈال رہا تھا۔سلیم کو اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار نظر آئے اس نے کہا۔''مجید خدا کے لیے بتاؤ کیا بات ہے؟''

مجید نے ادھر ادھر دیکھ کر جواب دیا۔''سلیم بہت بری خبر ہے۔تایا جان فوجی ٹرک سے اتر کر گاؤں کی طرف آرہے تھے کہ اسٹیشن کے قریب سکھوں کے جتھے نے ان پر حملہ کر دیا۔ان کی جان بچ گئی ہے لیکن وہ بہت بری طرح زخمی ہوئے ہیں۔ انہیں ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے۔''

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''فجو پہلوان خبر لایا ہے۔''

افضل دو گھوڑوں پر زین ڈال چکا تھا اور تیسرے کو لگام دے رہا تھا۔سلیم نے جلدی سے آگے بڑھ کر ایک گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔مجید نے دوسرے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔''چچا خدا کے لیے تم یہیں ٹھہرو!میں اور سلیم فجو کو ساتھ لے کر جاتے ہیں اور اس کے ہاتھ اطلاع بھیج دیں گے۔ہمارے گاؤں پر کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا ہے۔آپ کا یہاں رہنا ضروری ہے۔یہ لیجیے میرا پستول،میری الماری

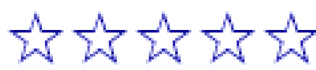
میں پچاس اور گولیاں بھی پڑی ہوئی ہیں۔ ضرورت پڑی تو امی آپ گولیاں نکال دیں گی۔ آپ گاؤں کے تمام لوگوں کو اکٹھا کریں!"

افضل نے معمول لہجے میں کہا۔ "اچھا بھئی میں نہیں جاتا لیکن فجو کو جلدی واپس بھیج دینا۔"

مسجد کے قریب جامن کے درخت کے نیچے رحمت علی اور اسماعیل، فجو کے ساتھ باتیں کررہے تھے۔ افضل نے کہا۔ "فجو بھئی! تم ان کے ساتھ جاؤ اور واپس آکر ہمیں اطلاع دو!"

رحمت علی نے آبدیدہ ہوکر کہا۔ "مجھے ضرور جانے دو!"

افضل نے جواب دیا۔ "نہیں، آپ گھر چلیں۔ ہمیں اب صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ سیٹھ رام چند کے گاؤں میں سکھ جمع ہورہے ہیں۔ ہمارے گاؤں سے بھی چند سکھ وہاں چلے گئے ہیں۔ شیر سنگھ میرے ساتھ وعدہ کرکے گیا تھا کہ اگر انہوں نے کسی شرارت کا ارادہ کیا تو وہ ہمیں فوراً اطلاع دے گا لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا۔



مہندر سنگھ کے گاؤں کے اسی باغ میں جہاں چند ہفتے قبل علاقے کے سرکردہ لوگوں نے تقریریں کی تھیں، پھر ایک جلسہ ہورہا تھا۔ کرپانوں اور برچھیوں سے مسلح ایک ہزار کے قریب سکھ درختوں کی چھاؤں میں بیٹھے سیٹھ رام چندر کی تقریر سن رہے

تھے۔ آٹھ دس آدمیوں کے ہاتھ میں بندوقیں اور رائفلیں بھی تھیں۔ مہندر سنگھ آم کے درخت کے ساتھ ٹیک لگائے ایک طرف کھڑا تھا۔ سیٹھ رام چند تقریر کر رہا تھا:۔

''میرے سکھ بھائیو! تم پنجاب کے شیر ہو۔ گرو گوبند سنگھ کے نام کو دھبہ نہ لگانا۔ تمہیں اس بات پر خوش نہیں ہونا چاہیے کہ پنجاب کے چند ضلعے تم کو مل گئے ہیں۔ میرے بھائیو! مسلمانوں کا پاکستان بن گیا ہے۔ لیکن تمہارا خالصتان ابھی تک نہیں بنا۔ کانگرس نے اس صوبے کے چند ضلعے تم کو لے دیے ہیں۔ اب اس علاقے کو خالصتان بنانا تمہارا کام ہے اور اسے تمہاری کرپا میں ہی خالصتان بنا سکتی ہیں۔ تم جس وقت کا انتظار کر رہے تھے، وہ آگیا ہے۔ تمہیں اٹک تک پہنچنا ہے اور اٹک تک پہنچنے سے پہلے تمہیں مشرقی پنجاب کو ان لوگوں سے صاف کرنا ہے جو خطرے کے وقت تمہاری پیٹھ میں چھرا گھونپیں گے اورنگ زیب سے لے کر اب تک مسلمان تمہارا دشمن چلا آتا ہے، اگر مسلمان مشرقی پنجاب میں ٹک گیا تو یاد رکھو سارا پنجاب تو کیا تم اس حصے کو بھی خالصتان نہیں بنا سکو گے جو تمہیں مل گیا ہے۔ تمہارے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے کہا ہے کہ سکھ خیبر پر اپنا جھنڈا اگاڑ کر دم لیں گے۔ جس قوم کا لیڈر بہادر ہو، وہ قوم بزدل نہیں ہو سکتی۔

مسلمانوں نے پاکستان مانگا تھا، ان کا پاکستان بن گیا ہے اس لیے انہیں وہاں بھیج دو۔ جب مشرقی پنجاب سے ساٹھ ستر لاکھ مسلمان وہاں پہنچیں گے تو پاکستان کو ہوش آجائے گا۔ بہادرو ! ہمت کرو۔ اب پولیس تمہاری ہے، فوج تمہاری ہے، حکومت تمہاری ہے لیکن جو کام تمہارے ذمے ہے، وہ تم ہی کو کرنا ہوگا۔ اگر تم

نے حملہ نہ کیا تو کوئی اور جتھہ رحمت علی کے گھر سے ڈولیاں لے جائے گا اور تم منہ دیکھتے رہ جاؤ گے!''

اس کے بعد چرن سنگھ نے تقریر کی:۔

''گرو کے سکھو! جتھیدار نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دس بجے سے پہلے یہاں پہنچ جائے گا اور اب گیارہ بجنے والے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمیں پٹیالہ کے جوانوں ضرورت پڑے گی لیکن اب یہاں اتنے آدمی جمع ہو گئے ہیں کہ رحمت علی کے گاؤں کے مسلمانوں کی ایک ایک بوٹی بھی بمشکل ہمارے حصے آئے گی...... ہمارے پاس بندوقیں بھی کافی ہو گئی ہیں۔ ان کی بندوقیں میں نے دو دن پہلے ضبط کرا دی تھیں۔ ہمیں اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ رحمت علی اور اس کے بھائیوں اور لڑکوں کا اس علاقے کے مسلمانوں پر بہت اثر ہے اگر انہیں ہمارے ارادوں کا پتہ چل گیا تو وہ چند گھنٹوں میں ہزاروں مسلمانوں کو اکٹھا کر لیں گے لیکن اگر ہم مسلمانوں کے ہوشیار ہونے سے پہلے یہ گاؤں فتح کر لیں تو اس علاقے کے مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ میرے خیال میں ہمیں جتھیدار کا انتظار نہیں کرنا چاہیے ممکن ہے کہ وہ دوسرے گاؤں پر حملہ کر چکے ہوں۔''

ایک سکھ نے کہا۔ ''اس گاؤں میں بھی مسلمانوں کے آٹھ دس گھر ہیں، پہلے انہیں صاف کیوں نہ کر لیا جائے۔''

رام چند نے اٹھ کر جواب دیا۔ ''سردار جی! یہ تو ہمارے گھڑے کی مچھلیاں ہیں۔ یہ کہاں جائیں گے؟ لیکن پہلے آپ کو رحمت علی کے گاؤں پر حملہ کرنا چاہیے ورنہ وہ خبر

ہو جائیں گے!"

ایک اور سکھ نے کہا۔ "دیکھو بھئی! ہم مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہیں لیکن اپنے سکھ بھائیوں کے ساتھ نہیں لڑیں گے۔ رحمت علی کے گاؤں کے کئی سکھ مسلمانوں کے طرف دار ہیں۔ ہمیں حملہ کرنے سے پہلے ان کا ارادہ معلوم کر لینا چاہیے۔"

ہری سنگھ لوہار نے اٹھ کر کہا۔ "ہمارے گاؤں کے بیس سکھ یہاں موجود ہیں اور جب آپ حملہ کریں گے تو ہمارے گاؤں کے باقی سکھ بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ ہمیں صرف اندر سنگھ اور اس کے گھر کے دوسرے آدمیوں سے خطرہ تھا سو اس کا علاج بھی ہم نے کر لیا ہے۔ اندر سنگھ کے دو لڑکے ہمارے ساتھ ہیں۔ شیر سنگھ کو ہم نے شراب کی دو بوتلیں پلا دی ہیں اور وہ اس وقت رام چند کی بیٹھک کے پاس درخت کے نیچے بے سدھ پڑا ہوا ہے۔ اندر سنگھ اب لاٹھی کے سہارے کے بغیر چل بھی نہیں سکتا۔ اب رہ گیا شیر سنگھ کا لڑکا۔ اول تو وہ اپنے چچوں کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے گا اور اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم یہ سمجھیں گے کہ مسلمانوں کی طرح وہ بھی پنتھ کا دشمن ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ وقت پر ہمارا ساتھ دے گا۔ ہمارے گاؤں کے مسلمانوں پر دھاوا بولنے کے لیے آپ کو اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ وہ کل سے یہ خبر سن کر رو رہے ہیں کہ گورداسپور ہندوستان میں چلا گیا ہے۔ آج انہیں اپنا ہوش نہیں لیکن کل تک شاید دوسرے گاؤں کے مسلمان وہاں آ جائیں۔ تم نے یہ تو سن لیا کہ علی اکبر بری طرح زخمی ہوا ہے!"

رام چند نے اٹھ کر کہا۔ ”سردارو! میں یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھ وہاں سے ملے وہ سب آپ کے حصے میں آئے۔ اب جلدی کرو ورنہ کل تک دوسرے جتھے پہنچ گئے تو وہ آپ سے حصہ مانگیں گے۔ رحمت علی کے گھر میں صرف دولت ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔ ہمارے علاقے کی چیزیں ہمارے علاقے میں ہی رہنی چاہئیں!“

مہندر سنگھ اچانک آگے بڑھا اور لوگوں کے درمیان کھڑا ہو کر چلایا:۔

”میرے بزرگو اور بھائیو! آج تم بہت بڑا فیصلہ کر رہے ہو۔ میں تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو۔ اگر تم حملے کا ارادہ کر چکے ہو تو میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گا لیکن میری بات ضرور سنو!“

رام چند نے چرن سنگھ کو آنکھ کا اشارہ کیا اور بولا۔ ”نہیں، اب باتوں کا وقت نہیں ہمیں بہت دیر ہوئی ہے۔ ہم واپس آ کر تمہاری باتیں سن لیں گے۔ بولو ست سری اکال۔“

فضا تھوڑی دیر کے لیے ”ست سری اکال“ کے نعروں سے گونج اٹھی۔

مہندر سنگھ نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ”بھائیو! تمہیں گرد گرنتھ کی قسم۔ میری بات سن کر جاؤ۔ اگر میں کوئی غلط بات کہوں تو جو جی چاہے مجھے سزا دینا۔ میں نے تین مہینے تمہارے گھروں پر مسلمانوں سے پہرہ دلوایا ہے، میں تمہارا دشمن نہیں اور اگر میں تمہارا دشمن ہوں تو سیٹھ رام چند تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ بھائیو! میری بات سن لو۔ اس کے بعد اگر تمہارا یہی فیصلہ ہوا تو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے میں سب سے آگے جاؤں گا!“

جو لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے، وہ بیٹھ گئے اور جو شور مچا رہے تھے، وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گئے اور مہندر سنگھ اطمینان سے تقریر کرنے لگا:۔

"گرد کے سکھو! آج تک تم نے یہ نہیں سوچا کہ مسلمانوں کو پاکستان مل گیا ہے اور ہندوؤں کو ہندوستان مل گیا ہے لیکن تمہیں کیا ملا ہے؟ تم نے میری بات کبھی نہیں سنی۔ لیکن وہ دن دور نہیں جب تم سب میری طرح سوچو گے۔ ہندوؤں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہندوستان کو تقسیم نہیں ہونے دیں گے لیکن انہوں نے تقسیم منظور کر لی۔ نہ صرف ہندوستان کی تقسیم نہیں ہونے دیں گے لیکن انہوں نے تقسیم منظور کر لی۔ نہ صرف ہندوستان کی تقسیم بلکہ انہوں نے پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کروا لیا۔ ایک حصہ مسلمان کے پاس چلا گیا ہے اور دوسرا حصہ ہندو ہی کا فائدہ تھا۔ اس صورت میں سکھ اور مسلمان دونوں ہندو کے غلام ہو جاتے۔ مسلمان ہوشیار تھے، انہوں نے اپنا حصہ لے لیا۔

واہگورو کے لیے سوچو! پنجاب میں جو مسلمانوں کا حصہ تھا، وہ مسلمان لے گئے ہیں لیکن جو تمہارا حصہ تھا، وہ کہاں گیا؟ مجھے جواب دو! خاموش کیوں ہو گئے! تمہارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں سیٹھ رام چند کو اس سوال کو جواب معلوم ہے لیکن وہ تمہیں بتائے گا نہیں۔ کوئی ہندو تمہیں اس بات کا جواب نہیں دے گا۔ کیونکہ پنجاب میں جو تمہارا حصہ تھا، وہ ہندوستان کا ہندو وصول کر چکا ہے۔ اب وہ نہیں چاہتا کہ تم اس سے اپنا حصہ مانگو، اس لیے سیٹھ رام چند چاہتا ہے کہ تمہیں اس طرف توجہ ہی نہ کرنے دی جائے۔ وہ تمہیں مشورہ دیتا ہے کہ تم پہلے مشرقی پنجاب

میں مسلمانوں کو قتل کرو۔ پھر پاکستان پر حملہ کر کے اٹک کا رخ کرو، پھر تمہیں خالصتان مل جائے گا لیکن میں پوچھتا ہوں کہ پنجاب کی تقسیم کے بعد جو ضلعے پاکستان سے علیحدہ ہوئے ہیں وہ ہمارے ہیں یا ہندوؤں کے؟''

''ہمارے ہیں!'' چند سکھوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''بھائیو! تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ ہمارے ضلعے ہیں، یہ ہمارا خالصتان ہے، اس میں جو لوگ بستے ہیں، وہ ہماری رعایا ہے۔ ہم اپنی رعایا کے ساتھ جو سلوک مناسب سمجھیں گے کریں گے لیکن ہندو ہمیں یہ مشورہ کیوں دیتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو قتل کریں یہ اس لیے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ لڑائی شروع کر دیں تو ہندو آرام سے مشرقی پنجاب ہضم کر جائے گا۔ بھائیو! اگر تم مسلمانوں کے ساتھ لڑنا چاہتے ہو تو میں تمہیں نہیں روکتا لیکن پہلے ہندو سے یہ تسلیم کروا لو کہ پنجاب کا یہ حصہ تمہارا خالصتان ہے اور ہندو کو اس پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کانگرس کے لیڈروں سے کہو کہ پہلے وہ خالصتان کا اعلان کر دیں، پھر ہم مسلمانوں سے نپٹ لیں گے۔ اگر مسلمان سکھوں کو پاکستان سے مار کر نکالے گا تو ہم انہیں خالصتان سے مار کر نکال دیں گے۔ اگر وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو ہم بھی خالصتان میں مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے!''

چرن سنگھ نے کہا۔ ''بھائیو! یہ مسلمانوں کا طرف دار ہے۔ اس کی باتیں مت سنو۔''

مہندر نے کہا۔ ''سردار جی! میں مسلمانوں کا طرف دار نہیں لیکن میں ہندوؤں

کے ساتھ میں کھلونا نہیں بننا چاہتا۔ ہندو کو شروع سے خیال تھا کہ کہیں ہم پاکستان کی طرح خالصتان نہ بنالیں۔ اس لیے اس نے بڑی ہوشیاری سے ہمیں مسلمانوں کے ساتھ لڑا دیا اور ہماری توجہ خالصتان سے ہٹا دی۔ ہمارے لیڈروں نے خالصتان کا نعرہ لگایا لیکن جب وقت آیا تو ہندوستان کی تقسیم کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ مل گئے اور خالصتان کے لیے کوشش کرنے کی بجائے ہم نے ان لوگوں کا ساتھ دیا جو سارے ہندوستان کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے۔

بھائیو! آج ہندو تمہیں مشرقی پنجاب کے مسلمانوں سے لڑائے گا، کل تمہاری پیٹھ ٹھونک کر کہے گا کہ آگے بڑھو اور پاکستان پر حملہ بول دو۔ اگر ہم پاکستان سے کچھ علاقہ لے بھی لیں، تو بھی وہ مشرقی پنجاب کی طرح اسے ہندوستان میں شامل کر لے گا اور اگر ہم مارے جائیں تو بھی وہ خوش ہوگا کہ خالصتان سے جان چھوٹی۔

وہ چاہتا ہے کہ پاکستان پھر ہندوستان میں شامل ہو جائے لیکن وہ خود لڑنے کی بجائے تمہیں قربانی کے بکرے بنانا چاہتا ہے۔ آج بھی یہ حال ہے کہ مہاتما گاندھی اور کانگرس کے دوسرے لیڈر پاکستان اور باقی دنیا کے سامنے سچا ہونے کے لیے مسلمانوں کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور سکھوں کو درپردہ مسلمانوں کے ساتھ لڑایا جا رہا ہے۔

میں مانتا ہوں کہ تم مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو نکال دو گے۔ تم اپنے ان پڑوسیو کے گھر جلا دو گے جن کو تم نے گرنتھ اور گائے پر ہاتھ رکھ کر دوستی کا یقین دلایا تھا۔ جو بندوق ہندو خود نہیں چلا سکتا وہ اس نے تمہارے کندھے پر رکھ دی ہے لیکن تم

نے ان سکھوں کے متعلق بھی سوچا ہے جو پاکستان میں آباد ہیں؟ کیا یہ مسلمان جن کو تم یہاں سے نکالو گے، پاکستان پہنچ کر سکھوں کو نہ نکالیں گے؟''

ایک سکھ نے اٹھ کر کہا۔ ''ہم کسی مسلمان کو بچ کر نہیں جانے دیں گے اور اس کے بعد پاکستان کے سکھوں کی حفاظت کے لیے ہم وہاں پہنچیں گے!''

سکھ شور مچانے لگے۔ ''ہم وہاں پہنچیں گے......ہم وہاں پہنچیں گے......ست سری اکال، واہگورو جی کا خالصہ......واہگورو جی کی فتح۔''

مہندر چلایا۔ ''بھائیو! میں تمہارا راستہ میں روکتا۔ لیکن میری بات تو سن لو۔ ہم آپس میں بیٹھے ہیں۔ یہاں کوئی مسلمان نہیں۔ سنو! جب ماسٹر تارا سنگھ نے امرتسر میں فساد کروایا تھا تو ہم نے پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔ امرتسر میں ہم خوب تیار تھے، ماسٹر تارا سنگھ کا خیال تھا کہ وہ اسے ایک دن میں فتح کر کے لاہور پہنچ جائیں لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ پنجاب میں جو ہمارا دبدبہ تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اب ہندو ہمیں یہ تسلی دے رہے ہیں کہ پولیس، فوج اور ریاستوں کے سپاہی مدد کریں گے لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہم مشرقی پنجاب میں بھی فوج اور پولیس کی مدد کے بغیر نہتے مسلمانوں کو قتل نہیں کر سکتے تو ہم پاکستان پر کیسے حملہ کر سکیں گے؟ اور اگر پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے ہندوستان کی فوج ہمارا ساتھ دے گی تو یہ ایک باقاعدہ جنگ ہوگی۔ ہندوستان اور پاکستان کی جنگ۔ ہندو اگر کامیاب ہوگا تو وہ اپنا اکھنڈ ہندوستان بنا لے گا لیکن اس جنگ میں سکھوں کی ساری طاقت صرف ہو جائے گی اور تم میں ہندو سے خالصتان کا مطالبہ کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ وہ خالصتان کو اکھنڈ

بھارت کے راستے میں آخری کانٹا سمجھ کر مسل ڈالے گا اور اگر ہندو نے یہ دیکھا کہ اس نے پاکستان کے ساتھ جنگ کرنے میں غلطی کی ہے تو وہ فوراً صلح کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے گا اور جنگ کی تمام ذمہ داری پر سکھوں پر تھوپ دے گا۔

بھائیو! کبھی تم میری بات یاد کرو گے۔ اگر مسلمان کی فتح ہوئی تو بھی ہم مارے جائیں گے۔ وہ ہم سے مشرقی پنجاب کے ایک ایک بچے کا انتقام لے گا اور اگر ہندو کی فتح ہوئی تو بھی وہ تمہارا خالصتان کبھی نہیں بننے دے گا۔ آج اس کی فوج اور پولیس مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے تمہیں اپنی رائفلیں دے رہی ہے، کل جب تم خالصتان کا نام لو گے تو یہی فوج اور پولیس تمہارے لیے ہتھکڑیاں لے کر آئے گی۔ آج ہندو اپنے مطلب کے لیے ماسٹر تارا سنگھ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہا ہے، کل تم دیکھو گے کہ یہی ہندو اسے جیل کی کوٹھری میں ٹھونس دے گا۔ اس وقت تم میں بغاوت کی ہمت نہ ہو گی۔ تم صرف مسلمانوں کے ساتھ مل کر خالصتان بنا سکتے تھے لیکن یہ ہندو کی کامیابی ہے کہ اس نے ایک طرف تمہارے خالصتان پر قبضہ کر لیا ہے اور دوسری طرف تمہیں مسلمانوں کے ساتھ لڑا بھی دیا ہے۔

''بھائیو! بہادر کسی کے احسان کا بدلہ اس طرح نہیں دیا کرتے۔ آج تم جن لوگوں پر حملہ کرنا چاہتے ہو، انہوں نے دن رات ہمارے گھروں پر پہرہ دیا ہے۔ انہوں نے ہماری ماؤں اور بہنوں کو اپنی مائیں اور بہنیں سمجھا ہے، چوہدری رحمت علی کے خاندان نے کسی مسلمان کو اس علاقے میں شرارت نہیں کرنے دی۔ جس دن یہ اعلان ہوا تھا کہ گورداسپور پاکستان کو دے دیا گیا ہے۔ ہمیں ڈر تھا کہ مسلمان اپنے

وعدوں سے پھر جائیں گے لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم رہے۔ آج یہ ضلع ہمیں مل گیا ہے، آج ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ سکھ نیکی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔ اگر تم یہ نہیں چاہتے کہ وہ یہاں رہیں تو انہیں یہاں سے نکل جانے کا وقع دو۔ یہ وہی باغ ہے جہاں امن کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں سردار چرن سنگھ نے گرنتھ اور سیٹھ رام چند نے گائے پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائے تھے۔ اپنے وعدوں کو یاد کرو اور تم ان پر حملہ کرنا چاہتے ہو، تو چند دن ٹھہر جاؤ اور یہ معلوم کرلو کہ پاکستان کے مسلمان مغربی پنجاب میں ہمارے سکھ بھائیوں سے کیا سلوک کرتے ہیں۔''

چرن سنگھ نے کہا۔ ''ہم ایک آدمی کی وجہ سے پنتھ کا فیصلہ رد نہیں کر سکتے۔ آج سارے پنجاب

میں لڑائی شروع ہو چکی ہے، اگر ہم بیٹھے رہے تو پنتھ کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے۔ اگر ہم نے دشمنوں کو موقع دیا تو وہ اپنا روپیہ پیسہ اور سب کچھ نکال کر لے جائیں گے۔ آج تک رحمت علی کے خاندان کے کسی شرابی کو اپنے گاؤں کی زمین سے گزرنے نہیں دیا لیکن آج ہم اس کی بہو بیٹیوں کے ہاتھ سے شراب پئیں گے!''

مہندر چلایا۔ ''اس کی بہو بیٹیوں کا نام نہ لو۔ انہوں نے ہماری ماؤں اور بہنوں کو ہمیشہ اپنی مائیں اور بہنیں سمجھا ہے۔ جو آگ ایک گھر کو جلاتی ہے وہ دوسروں کو جلائے گی۔ کسی کی بہو بیٹی کی طرف وہی دیکھتا ہے، جس کو اپنی بہو بیٹی کی عزت کا خیال نہیں ہوتا!''

چرن سنگھ نے غصے سے کانپتے ہوئے اپنا پستول نکال کر مہندر کی طرف سیدھا کر دیا۔ ''ہم اس گاؤں میں اپنی بے عزتی کروانے نہیں آئے، اگر اس گاؤں کے سکھ مسلمان ہو چکے ہیں تو ہمیں اس کی مدد کی ضرورت نہیں، ہم جاتے ہیں۔ جس میں ہمت ہے، وہ ہمارا راستہ روک کر دکھائے۔ سکھو! بتاؤ تم پنتھ کے ساتھ ہو یا مسلمانوں کے ساتھ؟''

مہندر کے گاؤں کے ایک سکھ نے اٹھ کر بلند آواز میں کہا۔ ''سردار چرن سنگھ کیا دیکھ رہے ہو، مارو گولی! ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، اس گاؤں کا کوئی سکھ پنتھ سے باہر نہیں!''

''ہاں! مجھے گولی مارو میں تمہاری تباہی نہیں دیکھ سکتا۔'' مہندر سنگھ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا۔ ''تم جو گڑھا دوسروں کے لیے کھود رہے ہو، اس میں کسی دن خود گرو گے۔ میں اس دن کے لیے زندہ نہیں رہنا چاہتا۔''

چرن سنگھ کا پستول مہندر کے سینے کو چھو رہا تھا اور تماشائی چلا رہے تھے۔ ''گولی چلاؤ سردار جی! یہ بزدل ہے، یہ غدار ہے، یہ پنتھ کو دشمن ہے۔''

مہندر نے کہا۔ ''ہاں جلدی کرو! تمہارا ہاتھ کیوں کانپ رہا ہے!''

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور لوگ اٹھ اٹھ کر شہر سے آنے والی پگڈنڈی کی طرف دیکھنے لگے۔ بندوقوں، رائفلوں اور پستولوں سے مسلح آٹھ سوار باغ کے قریب پہنچ کر رکے۔ چرن سنگھ نے بلونت سنگھ اور رسنگھ اور تھانیدار کو دیکھ کر مہندر کے سینے سے اپنا پستول ہٹا لیا۔ تھانیدار اس علاقے میں سکھوں کا